مدیر اعلیٰ
حافظ عبدالرحمن مدنی

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

اپریل ۲۰۰۳ء

268

۲ مسئلہ عراق، اُمتِ مسلمہ اور پاکستان
۷ مذہب اور سائنس کا باہمی تعلق: اسلامی نقطہ نظر
۵۶ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا.....؟

مجلس التحقیق الاسلامی
ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

ملت اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ

مُحدِّث

لاہور

حافظ عبدالرحمٰن مدنی
مدیر اعلیٰ

حافظ حسن مدنی
مدیر

فہرست مضامین

فکر و نظر

مسئلہ عراق، اُمت مسلمہ اور پاکستان! — اداریہ — ۲

ادیان و مذاہب

حضرت عیسیٰ میں قرآن کی رُو سے اُلوہی صفات — مولانا محمد علی قصوریؒ — ۲۲

اَحکام و مسائل

گروی مکان سے استفادہ، قرآنی تعویذ، مسجد ڈھانا؟ — حافظ ثناء اللہ مدنی — ۳۱

عِشاء کی نماز کا مستحب وقت.....؟ — پروفیسر نجیب الرحمٰن کیلانی — ۳۷

فقہ و اجتہاد

محرم الحرام کے فضائل و مسائل اور صوم عاشوراء — حافظ مبشر حسین لاہوری — ۴۲

تحقیق و تنقید

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا؟ — حافظ ثناء اللہ ضیاء — ۵۶

اسلام اور سائنس

مذہب اور سائنس کا باہمی تعلق، اسلامی نقطہ نظر — سید عزیز الرحمٰن — ۷۶

اداریات

قارئین محدث سے چند گذارشات — حافظ حسن مدنی — ۹۳

جلد ۳۵ رشمارہ ۴
صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
اپریل ۲۰۰۳ء

زرسالانہ ۲۰۰ روپے
فی شمارہ ۲۰ روپے

بیرون ممالک
زرسالانہ ۲۰ ڈالر
فی شمارہ ۲ ڈالر

Monthly MUHADDIS A/c No: 984
UBL - Model Town Crossing, Lahore

دفتر کا پتہ
۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن
لاہور 54700
Ph: 5866476, 5866396, 5839404
Email: hhasan@wol.net.pk

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے ادارہ کا مضمون نگار حضرات سے کلی اتفاق ضروری نہیں

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

Publisher: Hafiz Abdul Rahman Madani
Printer: Shirkat Printing Press, Lahore

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر و نظر

مسئلہ عراق، اُمتِ مسلمہ اور پاکستان

عراق کا مسئلہ انتہائی گھمبیر صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اقوامِ متحدہ کی معائنہ ٹیمیں گزشتہ چار ماہ کی تلاشِ بسیار کے باوجود عراق میں کسی مہلک ہتھیار کا سراغ لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ عراق پر ممکنہ حملے کے خلاف ہر نسل اور ہر قوم کے کروڑوں افراد نے بھرپور صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ روس، فرانس اور چین جیسے اقوامِ متحدہ کے مستقل ارکان نے عراقی بحران کے سیاسی حل پر زور دیتے ہوئے کسی بھی ایسی قرارداد کو ویٹو کرنے کا اعلان کیا ہے جو عراق کے خلاف جنگ شروع کرنے کا جواز عطا کرتی ہو۔ (نوائے وقت: ۱۲، ۱۶/ مارچ)

عالمی ضمیر کے شدید احتجاج کے باوجود جنگی جنون میں مبتلا امریکی صدر جارج بش اور اس کی کابینہ کے ارکان ہر صورت میں عراق کو تاراج کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے معائنہ کاروں کی رپورٹوں کے علی الرغم امریکہ، برطانیہ اور سپین نے سلامتی کونسل میں عراق کے غیر مسلح ہونے کے لیے ۱۷/ مارچ کی ڈیڈ لائن کی تجویز پیش کر دی ہے۔ دورِ حاضر کے ہٹلر جارج بش نے پریس کانفرنس کے دوران نہایت متکبرانہ لہجے میں ایک دفعہ پھر اعلان کیا ہے کہ امریکہ اقوامِ متحدہ کی منظوری کے بغیر عراق پر حملہ کر دے گا۔ جارج بش نے کہا کہ اسلحہ انسپکٹروں کو مزید وقت دینے یا ان کی تعداد بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انہوں نے خبردار کیا کہ حملہ اس وقت تک نہیں رکے گا جب تک صدام کی شکل میں موجود سرطان کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔

(نوائے وقت: ۸/ مارچ ۲۰۰۳ء)

برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر جسے امریکی پالیسیوں کی کاسہ لیسی کی وجہ سے برطانوی عوام نے جارج بش کے 'وفادار کتے' کا لقب عطا کیا ہے، نے اپنے ایک بیان میں یہاں تک کہا ہے کہ ''عراق تمام میزائل تباہ کر دے پھر بھی مجرم ہے۔'' (نوائے وقت: ۶/ مارچ)

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ وقتی طور پر سلامتی کونسل میں دوسری قرارداد پر ووٹنگ کا فیصلہ واپس لے کر امریکہ کو خفت اور سبکی کا سامنا کرنا پڑا ہے، مگر یہ خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ امریکہ سلامتی کونسل سے قرارداد واپس لیکر ایک شکست خوردہ ریچھ کی طرح عراق پر چڑھ دوڑے گا۔ (نوائے وقت ۱۶/مارچ)

موجودہ خوفناک صورتِ حال کے پیش نظر یہ پیش گوئی کرنا مشکل نہیں ہے کہ ۱۷/مارچ کے بعد کسی وقت بھی مشرقِ وسطیٰ میں جنگ کا آتش فشاں پھٹ سکتا ہے!!

'اُمتِ مسلمہ' اور مسئلہ عراق

عراق کے نہتے اور معصوم مسلمانوں پر قیامتِ صغریٰ کے سائے تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ بغداد اور دیگر شہروں پر آتش وآہن کی خوفناک بارش برسانے کی تیاریاں مکمل ہیں۔ لاکھوں مسلمانوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بحران اور آزمائش کی اس لرزہ خیز گھڑی میں اُمتِ مسلمہ کہاں کھڑی ہے؟ عالم اسلام کی قیادت نے ایک سپر پاور کی قاہرانہ جارحیت سے ایک کمزور مسلمان ملک کو بچانے کے لیے کیا حکمتِ عملی تیار کی ہے۔ حکومتِ پاکستان جس نے افغانستان کے خلاف ننگی جارحیت کے دوران ایک فرنٹ لائن سٹیٹ اور امریکہ کے وفادار ساتھی کا کردار ادا کیا تھا، عراق کے خلاف ممکنہ امریکی حملے کی صورت میں کیا پالیسی اختیار کرے گی؟ اب جب کہ پاکستان میں ایک لولی لنگڑی جمہوری حکومت قائم ہوچکی ہے، کیا اب بھی پاکستانی عوام کی اُمنگوں کو نظر انداز کر دیا جائے گا؟..... یہ وہ سوالات ہیں جو اُمتِ مسلمہ کا معمولی درد رکھنے والے ہر پاکستانی کے ذہن میں کلبلا رہے ہیں!!

نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ عالم اسلام کی قیادت نے اس سنگین بحران کے دوران برادر اسلامی ملک عراق کے عوام کے ساتھ اس پرجوش یکجہتی اور والہانہ تعاون کا اظہار نہیں کیا جس کی توقع کی جارہی تھی۔ گزشتہ چار ماہ سے عراق کے خلاف عسکری جارحیت کی تیاریاں کی جاری ہیں مگر اسلامی کانفرنس تنظیم (او آئی سی) کا سربراہی اجلاس ابھی چند روز پہلے یعنی ۵/مارچ کو منعقد کیا جا سکا۔ اس اجلاس میں اگرچہ متفقہ طور پر ممکنہ امریکی حملے کو مسترد کر دیا گیا، تاہم امریکہ کو اڈّے فراہم کرنے کے معاملے پر مسلمان رہنماؤں میں اختلافات رہے۔ سفارتی ذرائع کے مطابق اجلاس میں پہلے سے تیار کردہ اعلامئے کی زبان میں نرمی پیدا کی گئی جس میں مسلم

www.KitaboSunnat.com

ممالک سے کہا گیا تھا کہ وہ امریکہ کو فوجی سہولتیں دینے سے انکار کردیں۔ اس کے بجائے حتمی اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ عراق کے خلاف کاروائی میں کوئی ملک سرگرمی سے حصہ نہ لے۔

(نوائے وقت: ٦/مارچ)

اسلامی کانفرنس کے اس سربراہی اجلاس میں مختلف عرب ممالک کے سربراہوں نے ایک دوسرے کے خلاف شدید توہین آمیز زبان بھی استعمال کی۔ سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے کرنل قذافی کے ریمارکس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ایک سیشن سے واک آؤٹ کردیا۔ ٥٧/اسلامی ممالک پر مشتمل اسلامی کانفرنس تنظیم نے مشترکہ اعلامیہ میں قرار دیا کہ وہ مشرقِ وسطیٰ میں تبدیلیاں تھوپنے اور داخلی امور میں مداخلت مسترد کرتے ہیں۔

OIC نے زور دیا کہ عراق کا مسئلہ سفارت کاری کے ذریعے اقوامِ متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق حل کیا جائے۔ بیان میں عالمی برادری سے کہا گیا کہ وہ پورے مشرقِ وسطیٰ بشمول اسرائیل کو بڑے پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے خاتمے کے لیے کام کرے اور تخفیفِ اسلحہ کے بارے میں دوہرا معیار ختم کیا جائے۔ اگرچہ OIC نے کسی بھی مسلم ملک کی سلامتی کو درپیش دھمکیوں کو مسترد کردیا لیکن اس کا اعلامیہ اس بارے میں قطعی طور پر خاموش ہے کہ اگر امریکہ عالمی رائے عامہ کو نظر انداز کرتے ہوئے عراق پر حملہ کر دیتا ہے تو پھر اسلامی ممالک کیا اقدامات کریں گے۔ یہ بات درست ہے کہ تمام اسلامی ممالک مل کر بھی امریکہ کی فوجی قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتے مگر وہ کم از کم اتنا تو کر سکتے ہیں کہ عراق پر ممکنہ امریکی حملے کی صورت میں امریکہ سے سفارتی تعلقات منقطع کرنے کا اعلان کردیں!!

بعض مسلمان ملکوں کی طرف سے مادّہ پرستانہ خود غرضی اور قوم پرستانہ تنگ نظری کی شرمناک مثالیں بھی سامنے آئی ہیں۔ 'ترقی اور انصاف پارٹی' کے نام سے ترکی میں برسراقتدار آنے والی نام نہاد اسلام پسندوں کی حکومت نے امریکہ سے مطالبہ کیا کہ وہ ترکی کی سرزمین کو عراق کے خلاف استعمال کرنے کے عوض ٥٠/ارب ڈالر ادا کرے۔ امریکہ نے شروع میں ٢٦/ارب ڈالر کی بولی لگائی، بعد میں یہ سودے بازی ٣٢/ارب ڈالر تک جا پہنچی، مگر بھلا ہو ترک پارلیمنٹ کا کہ جس نے معمولی اکثریت سے عراق کے خلاف امریکہ کی کسی قسم کی حمایت کا انکار کر کے ترک حکومت کو ملت فروشی کے اس قبیح فعل سے باز رکھا اور اُمتِ مسلمہ کی شکستہ

www.KitaboSunnat.com

اُمنگوں کی لاج رکھ لی۔

اسلامی سربراہی اجلاس کے مذکورہ اعلامیہ کے باوجود قطر، کویت، متحدہ عرب امارات اور بحرین میں دو لاکھ سے زیادہ امریکی افواج متعین ہیں۔ ان ممالک کی سرزمین کو استعمال کیے بغیر امریکہ عراق پر حملہ نہیں کرسکتا۔ مصر، اُردن جیسے مسلم ممالک نے اگرچہ اس بحران کے پرامن حل پر زور دیا ہے مگر ان کا لب ولہجہ چغلی کھا رہا ہے کہ وہ بالآخر امریکی دباؤ کے آگے جبینِ نیاز جھکا دیں گے۔

سعودی عرب کے متعلق بھی متضاد خبریں شائع ہوئی ہیں۔ سعودی عرب کے وزیر خارجہ شہزادہ سعود الفیصل کا تازہ ترین بیان ۱۵/مارچ کو شائع ہوا ہے کہ سعودی عرب امریکہ کو عراق کے خلاف فوجی اڈّے نہیں دے گا۔ سعودی عرب کے ۳۲ جید علما نے فتویٰ دیا ہے کہ عراق کے خلاف جنگ میں امریکہ کا ساتھ دینا بدترین گناہ ہوگا، کوئی فردِ واحد اس جنگ میں ساتھ دے یا کوئی حکومت اس کی بالواسطہ یا بلا واسطہ حمایت کرے وہ بدترین گناہ کی مرتکب ہوگی۔ فتویٰ میں تمام حکومتوں خاص طور پر خطے کے ممالک سے کہا گیا ہے کہ وہ امریکی مکروہ عزائم کو مسترد کر دیں۔ (نوائے وقت ۱۶/مارچ)

سعودی عرب میں علما کی آرا کو جس طرح عوامی اور حکومتی سطح پر اہمیت دی جاتی ہے، اس کے پیش نظر سعودی حکومت کے لیے امریکی حمایت کا فیصلہ سخت آزمائش سے کم نہیں ہوگا۔

واضح رہے کہ جدید خیالات کے مالک مصر کی جامعہ الازہر اس سے پہلے اسی طرح کا فتویٰ جاری کرچکی ہے۔ مصری عوام بھی بھرپور احتجاج کررہے ہیں مگر وہاں کی امریکہ نواز حکومت نے ابھی تک کوئی واضح پالیسی نہیں اپنائی۔

اس گئے گزرے دور میں جب اُمتِ مسلمہ ایک متحدہ قیادت سے محروم ہے، اُمت کے جذبات کی صحیح ترجمانی کا فریضہ ایک ایسے مسلمان حکمران نے انجام دیا ہے جس کو اپنے ملک میں اسلام پسندوں کی مزاحمت کا سامنا ہے۔ ہماری مراد ملائشیا کے وزیراعظم مہاتیر محمد سے ہے۔ ۲۳/فروری کو کوالالمپور میں 'غیر وابستہ تحریک' کے چیئرمین کے طور پر افتتاحی خطاب کرتے ہوئے جناب مہاتیر محمد نے نہایت ولولہ انگیز انداز میں فرمایا:

''عراق پر امریکی حملے کو عالم اسلام اور اسلام کے خلاف جنگ تصور کیا جائے گا۔ مغربی

www.KitaboSunnat.com

اَقوام کا نشانہ مسلمان ہیں، نہ کہ وسیع پیمانے پر تباہی کے ہتھیار۔ ایسا ہوتا تو امریکہ عراق کی بجائے شمالی کوریا پر توجہ دیتا۔ فوجی طاقتیں 'دہشت گردی' کو دنیا فتح کرنے کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔ ان کے رہنما پتھر کے دور کے حکمران بن گئے ہیں جن کے خیال میں 'قتل عام' ہی ہر مسئلے کا حل ہے۔'' (روزنامہ 'جنگ' لاہور: ۲۴/فروری ۲۰۰۳ء)

جناب مہاتیر محمد نے اُمتِ مسلمہ کی نمائندگی جس بھرپور اور مؤثر انداز میں کی ہے، آنے والا مؤرخ عالم اسلام کے اس بطلِ جلیل کی جرات اور دوراندیشی کو سلام پیش کرے گا۔

مسئلہ عراق اور پاکستانی عوام

۱۵/فروری کو جب برطانیہ، سپین، اٹلی، جرمنی، امریکہ اور دیگر ممالک کے کڑوڑوں عوام نے عراق کے خلاف ممکنہ امریکی جارحیت کے خلاف عالمی ضمیر کی نمائندگی کرتے ہوئے تاریخ ساز مظاہرے کیے تو پاکستان کے چند شہروں میں چھوٹی سطح پر مظاہرے دیکھنے میں آئے۔ اس کا مطلب ان کی بے حسی نہیں جس طرح کہ بعض پاکستانی کالم نگاروں نے عام طور پر سمجھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کے مسلمان کسی بھی برادر مسلمان ملک پر جارحیت کے خلاف شدید جذبات رکھتے ہیں، مگر افغانستان پر امریکہ کی وحشیانہ بمباری اور بعد میں سقوطِ کابل کی وجہ سے پاکستانی عوام میں دل شکستگی کے جذبات کا پیدا ہونا فطری امر تھا۔ طالبان کے حق میں مظاہرہ کرنے والے ہزاروں افراد کو تشدد اور مصائب سے بھی گزرنا پڑا۔

مزید برآں اکتوبر کے انتخابات کے فوراً بعد متحدہ مجلس عمل کی قیادت مختلف آئینی اور سیاسی اُمور میں اس قدر اُلجھی رہی کہ فوری طور پر عراق کے مسئلے کے متعلق عوام الناس کو سڑکوں پر لانا دشوار تھا۔ بالآخر متحدہ مجلس عمل کی کال پر ۲/ مارچ کو کراچی اور ۹/مارچ کو راولپنڈی میں 'ملین مارچ' کی صورت میں عوامی احتجاج کا سیلاب اُمڈ آیا۔ مجلس کی قیادت کے دعویٰ کے مطابق بالترتیب ۳۳/لاکھ اور ۵۰/لاکھ شرکاء نے حصہ لیا۔ لاکھوں شرکاء نے مجلس عمل کے قائدین کی اپیل پر ہاتھ اُٹھا کر حکومت کی امریکہ حمایت پالیسی کو مسترد کرنے کا اعلان کیا۔ راولپنڈی کے ملین مارچ سے خطاب کرتے ہوئے مجلس عمل کے قائدین نے کہا کہ امریکہ جارح ہے اور دنیا بھر میں دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے۔ جارج بش عظیم تر اسرائیل کی تعمیر اور مسلمانوں کے وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانی قوم اپنی غیرت کا سودا کرنے کی اجازت نہیں

www.KitaboSunnat.com

دے گی۔ اُنہوں نے مطالبہ کیا کہ سلامتی کونسل میں حکومتِ پاکستان جنگ کی مخالفت میں ووٹ دے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے عوام عراق کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ حکمرانوں کو عراق پالیسی تبدیل کرنے ہوگی۔ عوام حکومت کو امریکہ کے کیمپ میں نہیں دیکھنا چاہتے۔ یہ ایک صلیبی جنگ ہے جس نے ساری دنیا کے مسلمانوں سے مقابلہ کرنا ہے۔ پہلے اللہ، اسلام اور اُمتِ مسلمہ ہے۔ 'سب سے پہلے پاکستان' کا نعرہ لگانے والے اپنے اقتدار کو بچانے کی بات کرتے ہیں۔ (نوائے وقت: ۱۰/مارچ) ملین مارچ میں بعض سیکولر رہنماؤں اصغر خان، عمران خان، رحمت خان وردگ اور مسلم لیگ 'ن' گروپ کے جاوید ہاشمی نے بھی خطاب کیا۔

پاکستان کا سرکاری موقف

ان مظاہروں سے پہلے حکومت پاکستان کوئی واضح سرکاری موقف پیش کرنے سے گریز کرتی رہی۔ کھل کر جنگ کی حمایت بھی نہ کی گئی اور امریکہ کو ناراض نہ کرنے کا اہتمام بھی کیا گیا۔ ۲۴/فروری کو غیر وابستہ تحریک جس کے ارکان کی تعداد ۱۱۶ ہے، نے عراق کے خلاف امریکی جارحیت مسترد کرنے کی قرار داد منظور کی تو پاکستان نے نہ صرف اس کی حمایت کی بلکہ صدر مشرف نے وہاں ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ پاکستان کسی بھی صورت میں جنگ کا حامی نہیں ہے۔ یکم مارچ کو امریکہ کی نائب وزیر خارجہ کرسٹینا روکا پاکستان کے دورے پر اس لیے آئی تھیں تاکہ اس امریکی قرارداد پر پاکستان کی حمایت حاصل کرسکیں جو ۲۵/فروری کو سلامتی کونسل میں پیش ہوئی۔

ذرائع ابلاغ کے مطابق امریکی نائب وزیر خارجہ کو پاکستان کے اس موقف سے آگاہ کیا گیا کہ عراق کو اگر وقت درکار ہو تو ضرور ملنا چاہیے۔ عراق پر حملے کے مضمرات بیان کرتے ہوئے صدر مشرف نے کہا کہ اس کے خلاف عالم اسلام میں شدید ردّعمل ہوگا۔ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے منیر اکرم نے ایک بیان میں کہا کہ ''پاکستان کا موقف ہے کہ جنگ سے بچتے ہوئے قراردادوں پر عمل کیا جائے۔ ہم ڈیڈ لائن کے خلاف ہیں۔'' (۹/مارچ ۲۰۰۳ء)

عراق جیسے اہم مسئلے پر تادمِ تحریر (۱۶/مارچ) پاکستان کی پارلیمنٹ میں بحث نہیں کی گئی۔ البتہ وزیراعظم پاکستان جناب ظفر اللہ جمالی نے گزشتہ چند روز میں جو بیانات دیے ہیں، اس

www.KitaboSunnat.com

سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلے پر کافی حد تک گومگو کی حالت میں رہے ہیں۔

٭ ۲/ مارچ کو انہوں نے بیان دیا کہ ''وہ عراقی بحران پر پارلیمنٹ اور عوام کو اعتماد میں لے کر فیصلہ کریں گے۔'' (۳/ مارچ ۲۰۰۳ء)

٭ ۵/ مارچ کو روزنامہ جنگ کے زیر اہتمام سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ''ہم ساری دنیا کے ٹھیکیدار نہیں ہیں۔ عالمی بحرانوں سے پہلے ہمیں مل جل کر اندرونی بحران ختم کرنا ہوں گے۔'' (جنگ: ۶/ مارچ ۲۰۰۳ء)

٭ ۸/ مارچ کو ان کی نسلی حمیت جاگی تو ارشاد ہوا کہ ''میں خود عراقی النسل ہوں۔ مجھ سے زیادہ اُن کا خیال کون رکھے گا۔'' (نوائے وقت: ۹/ مارچ)

٭ ۹/ مارچ کو اُنہوں نے ارشاد فرمایا: ''ملین مارچ والے قوم کے خیر خواہ نہیں۔'' (نوائے وقت: ۱۰/ مارچ)

٭ ۱۰/ مارچ کو پہلی مرتبہ انہوں نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے بیان دیا:

''عراق پر امریکی جارحیت کا ساتھ نہیں دیں گے۔ ہر فورم پر آواز بلند کرتے رہیں گے کہ عراق پر حملہ نہ کیا جائے۔ ووٹنگ کا وقت آیا تو دیکھیں گے۔'' (نوائے وقت، جنگ ۱۱/ مارچ)

٭ ۱۱/ مارچ کو جمالی صاحب نے وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر سرفراز ہونے کے بعد پہلی مرتبہ قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''عراق سے جنگ کی حمایت کرنا بہت مشکل ہوگا، ہم عراق کی تباہی نہیں چاہتے، پاکستان عراق کی خیر خواہی چاہتا ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ ایک مسلمان ملک تباہ ہو جائے۔ عراق کے بارے میں وہاں کے حکمران خود فیصلہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ کابینہ اور حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ عراق پر جنگ کی حمایت بہت مشکل ہے۔ وقت آنے پر ہم وہی فیصلہ اپنائیں گے جو سب سے بہتر ہوگا۔ اُنہوں نے اقوامِ متحدہ سے اپیل کی کہ عراق کو مزید وقت دیا جائے۔'' (نوائے وقت: ۱۲/ مارچ)

۱۶/ مارچ کو جناب خورشید محمود قصوری، وزیر خارجہ کا یہ بیان شائع ہوا:

''عراق پر حتمی فیصلہ کر لیا ہے، جمالی اعلان کریں گے۔ عراق پر قومی پالیسی تشکیل دیتے ہوئے رائے عامہ، اپوزیشن پارٹیوں اور پنڈی کے ملین مارچ کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔'' (نوائے وقت ۱۶/ مارچ)

www.KitaboSunnat.com

پاکستانی اہل دانش کی آرا

پاکستان کے دانشور عراقی مسئلے کے متعلق جو خیالات رکھتے ہیں، اسکی ایک واضح جھلک ابھی چند روز پہلے لاہور میں منعقد ہونے والے دو اہم سیمیناروں کے مقررین کے بیانات میں ملتی ہے:

مؤرخہ ۵/مارچ کو جنگ گروپ آف نیوز پیپر کے زیر اہتمام 'موجودہ عالمی بحران میں پاکستان کا کردار' کے موضوع پر ایک قومی سیمینار منعقد کیا گیا جس میں مختلف عہدیداروں، ایوانِ صنعت وتجارت کے عہدیداروں اور دانشوروں کے علاوہ وزیر اعظم نے بھی خطاب کیا۔ اس سیمینار میں اس بات پر اتفاق پایا گیا کہ ''قومی مفادات کو 'مقدم' رکھا جائے۔''

مقررین نے ایک اور بات کی کہ عراق کا موجودہ بحران اسلام اور کفر کی جنگ نہیں ہے۔ بیشتر رہنماؤں کا کہنا تھا کہ یہ مفادات کی جنگ ہے اور پاکستان کو اس حوالے سے اپنے مفادات کو اوّلین ترجیح دینی چاہیے۔ سابق صدر فاروق لغاری نے کہا کہ عراق کے بحران سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جذباتی نعروں کی بجائے ہوش مندی سے کام لینا ہوگا اور پاکستان کے مفاد کو پہلے دیکھنا ہوگا۔ وزیر اعظم ظفر اللہ جمالی نے اسی سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ہم ساری دنیا کے ٹھیکیدار نہیں ہیں۔'' (جنگ: ۶/مارچ)

روزنامہ جنگ نے اسی سیمینار کو ۶/مارچ کی اشاعت میں ''دوسروں کے مفاد کا نہیں، اپنوں کے مفاد کا تحفظ کریں۔'' کے عنوان سے اپنے اداریئے کا موضوع بنایا۔ پاکستان کے اس کثیر الاشاعت اخبار نے میر ظفر اللہ جمالی کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا

> ''ان کا کہنا بالکل درست ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ قوم کو سب سے پہلے پاکستان کے مفاد کو اوّلیت دینی ہوگی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم دوسروں کے مفادات کا تحفظ کرتے رہیں اور اپنے مفادات کو نقصان پہنچالیں۔ اس سے بڑی ناسمجھی کی بات اور کیا ہوگی.....''

دوسرا سیمینار ۱۰/مارچ کو نوائے وقت اور دی نیشن کے زیر اہتمام منعقد ہوا۔ اس سیمینار سے سابق گورنر پنجاب جناب شاہد حامد، سابق وزیر خارجہ آصف احمد علی، جنرل (ر) نصیر اختر، شعبۂ سیاسیات پنجاب یونیورسٹی کے سربراہ حسن عسکری، جناب عارف نظامی اور دیگر مقررین نے خطاب کیا۔ مقررین نے مسئلہ عراق پر پارلیمنٹ میں بحث کو وقت کی ضرورت قرار دیا۔ بیشتر مقررین اس امر کے حق میں تھے کہ ہمیں امریکہ کا ساتھ نہیں دینا چاہیے اور سیکورٹی

www.KitaboSunnat.com

کونسل میں دوسرے ممالک کے ساتھ مل کر قرارداد کی مخالفت کرنی چاہیے۔ البتہ دو مقررین کا کہنا تھا کہ ہمیں اپنے قومی مفادات کو یقینی بناتے ہوئے امریکہ کی مخالفت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ شاہد حامد نے کہا کہ ہم اس بات کے متحمل نہیں ہو سکتے کہ ہم امریکہ کی صریحاً مخالفت کریں۔ البتہ جنرل مشرف کو اتنی ہمت کرنی چاہیے کہ صدر بش سے کہیں کہ افغان مسئلہ پر ہم نے آپ کا ساتھ دیا، مگر اب ہم ساتھ نہیں دے سکتے۔ جناب عارف نظامی نے کہا کہ اصل سوال یہ ہے کہ سلامتی کونسل میں امریکہ کے خلاف ووٹ دینے سے فوجی حکومت کے اِقتدار کو خطرہ ہے یا پاکستان کے مفادات کو؟.....انہوں نے کہا کہ عوام کے رجحان اور حکومتی پالیسی میں ٹکراؤ ہے۔ سردار آصف احمد علی نے کہا کہ یہ عیسائی اور مسلم تہذیب کی جنگ نہیں ہے، دراصل وہ ٹولہ جس کا امریکہ کی اسلحہ ساز صنعت اور تیل سے مفاد وابستہ ہے، امریکہ پر قابض ہو گیا ہے۔ یہ صرف عراق کی جنگ نہیں ہے بلکہ دنیا پر امریکہ کی بالادستی قبول کرنے کی جنگ ہے۔ وہ عرب ملکوں کے دلوں میں خوف پیدا کر کے اسرائیل کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کو ووٹ دینا مشرف کی مجبوری ہے۔ قرارداد کے خلاف ووٹ دینے سے پاکستان کو کوئی خطرہ نہیں بلکہ خطرہ صرف مشرف کو ہے۔

جنرل نصیر اختر نے کہا کہ ہم ہر مسلمان ملک کے مسئلے میں جذباتی ہو جاتے ہے حالانکہ ہمیں سب سے پہلے ملکی مفاد کو سامنے رکھنا چاہیے۔ یہ اُمتِ مسلمہ کے خلاف جنگ نہیں بلکہ صرف عراق کے خلاف جنگ ہے۔ انہوں نے کہا کہ عراق نے اُمتِ مسلمہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ صدام کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے۔ یورپ اپنے مفاد کی خاطر مخالفت کر رہا ہے، اس لیے اس کو معاشی جنگ بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر حسن رضوی نے کہا کہ عراق پر امریکی جارحیت کے مسئلے پر پاکستان کو واضح پالیسی اپنانی چاہیے، فی الحال ہم ابہام کا شکار ہیں۔ ہمیں ایسی کوئی پالیسی اختیار نہیں کرنی چاہیے جس سے پاکستان کو نقصان ہو۔ انہوں نے کہا کہ اگر اقوام متحدہ کی ڈیڈ لائن کی حامل قرارداد سامنے آئے تو پاکستان کو مخالفت میں ووٹ دینا چاہیے۔ انہوں نے کہ ہماری خارجہ پالیسی عوامی حمایت سے محروم ہے۔ (نوائے وقت، لاہور: ۱۱ر مارچ)

جناب ارشاد حقانی صاحب کا شمار ہمارے ملک کے دانشور اور مدبر صحافیوں میں ہوتا ہے۔ سرکاری حلقوں میں بھی ان کی آرا کو وقعت دی جاتی ہے۔ انہوں نے 'عراق کی صورتحال؛

www.KitaboSunnat.com

پاکستان کے لیے بہترین لائحہ عمل' کے عنوان سے کئی اقساط میں مفصل اظہارِ خیال کیا۔انہوں نے قوم کی 'فکری رہنمائی' کا فریضہ ان الفاظ میں ادا کیا:

''میری رائے یہ ہے کہ پاکستان اپنے ووٹ کے معاملے میں آخر وقت تک اِبہام رکھے اور بالآخر ہمیں کیا کرنا ہے، یہ فیصلہ آخری مرحلے پر عمائدینِ حکومت کریں۔ میرے بعض دوست اس کو 'موقع پرستی' کا نام دیں گے۔ وہ کہیں گے کہ

''ہمیں کھل کر مخالفت کرنی چاہیے۔ پاکستان کا مفاد کوئی چیز نہیں ہے۔ اُمہ کا مفاد سب سے اہم اور مقدم ہونا چاہیے۔'سب سے پہلے پاکستان کا مفاد' عالم اسلام اور اُمہ کے تصور سے انحراف اور بغاوت ہے۔''

معاف کیجئے، میں اس رائے سے اتفاق نہیں کرتا۔ میرے خیال میں پاکستان کے اور اسلام کے مفاد میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ کسی قسم کا تصادم نہیں ہے۔ جو چیز پاکستان کے مفاد میں ہے، وہ اسلام کے مفاد میں سمجھی جانی چاہیے اور جو چیز اسلام کے مفاد میں ہے، اسے پاکستان کے مفاد میں بھی سمجھنا چاہیے۔ان میں تضاد کا ذکر کرنا بالکل خلطِ مبحث ہے اور گہرائی میں نہ جاتے ہوئے بات کو اُلجھانے والی بات ہے۔''

موصوف نے اس مسئلے پر محض اپنی خداداد حکمت ودانش پر انحصار ہی نہیں کیا بلکہ حسب معمول اپنی اس رائے کو قرآنی منشا بنا کر پیش کرنے کی کاوش بھی فرمائی۔مزید لکھتے ہیں

''اس حوالے سے آپ میری ذاتی رائے بھی پوچھ سکتے ہیں۔ بنیادی طور پر میری یہ رائے ہے کہ ہم جنگ کے خلاف ہیں، ہم اس کی حمایت نہیں کر سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم عراق کے خلاف جنگ کی مخالفت کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہماری خواہش ہے کہ موجودہ مرحلے پر اگر پاکستان کچھ فوائد حاصل نہیں کرتا تو نقصان میں بھی نہ رہے۔ فائدے اور نقصان کی اہمیت تو ہر وقت رہتی ہے لیکن جب پاکستان کے سر پر ہندوستان جیسا ظالم اور جارح ملک بیٹھا ہو جس کی ایک ایک چیز پر نظر ہے جو اُسے نقصان پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرنے میں مصروف ہو تو ایسی صورت میں اپنے بچاؤ کا سوچنا ضروری ہے۔اس حوالے سے قرآن پاک میں موجود سورۂ آلِ عمران کی آیت نمبر ۲۸ کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اس آیت میں مسلمانوں کو واضح طور پر ہدایت کی گئی ہے کہ اگر دشمن طاقت ور ہو اور تم نے اس سے بچنا ہو، تم کسی اُلجھن میں پھنس جاؤ تو ایسی صورت میں آپ اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کر سکتے ہیں جس سے وہ دھوکے میں آجائے اور وہ دھوکے میں مبتلا ہو جائے گا کہ یہ ہمارے ساتھ

www.KitaboSunnat.com

ہیں، چاہے کوئی فرد ہو یا قوم.....''

آگے چل کر اپنے مضمون کا اختتام وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں

''ہماری دو بنیادی ترجیحات ہیں: ایک عراق کے خلاف جنگ کی مخالفت اور دوسرے پاکستان کا مفاد۔ اس حوالے سے میں پاکستان کے مفاد کو اور اسلام کے مفاد کو متصادم نہیں سمجھتا۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں، وہ بے شک سمجھتے رہیں۔'' (روزنامہ جنگ: ٦/مارچ)

موصوف کی اسلامی حمیت جاگ اُٹھنے کا داعیہ تھا، یا ان کے ضمیر کی اندرونی آواز کہ صرف پانچ روز بعد یعنی ١١/مارچ کو اپنے کالم میں وہ اس طرح رقمطراز ہوئے:

''پاکستان کو امریکی قرارداد کی حمایت کا کوئی جواز نہیں ہوگا۔ امریکی وزیر خارجہ کے تازہ بیانات سے اندازہ ہوتا ہے (یہ بات یقینی نہیں) کہ انہیں اپنی قرارداد کے حق میں پاکستان کا ووٹ بھی ملنے کی اُمید ہے۔ یہ ایک تشویشناک صورتحال ہے۔ پاکستان کو امریکی و برطانوی قرارداد کے حق میں ہرگز ووٹ نہیں دینا چاہیے۔ اس کا کوئی جواز نہیں ہوگا جو عذر ہمیں افغانستان کے حوالے سے دستیاب ہے، یہاں وہ دستیاب نہیں۔ اُمید ہے، صدر مشرف قوم کو مایوس نہیں کریں گے۔''

ریاست کے اندرونی معاملات کی تنظیم کا مسئلہ ہو یا خارجہ پالیسی جیسے نازک بین الاقوامی اُمور کے متعلق ترجیحات کے تعین کی بات ہو، ایک اسلامی ریاست اور اسلامی قیادت کے لیے فیصلہ سازی کے لیے اگر کوئی چیز اساس اور معیار ہونے کا مقام رکھتی ہے، تو وہ صرف اور صرف قرآن وسنت کی تعلیمات ہیں۔ ایک اسلامی ریاست کے وقتی مفادات بھی ان اَبدی تعلیمات کے تابع ہیں۔ قرآنِ مجید میں تو واضح ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ﴾ ''بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں''

کیا کوئی بھائی اپنے دوسرے بھائی کے قتل کے لیے کسی وحشی قاتل کا دست وبازو بن سکتا ہے یا کسی بھی طرح اعانتِ جرم کا مرتکب ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ انتہائی غیر منطقی اور لغو دلیل ہے کہ چونکہ صدام حسین ایک ظالم ڈکٹیٹر ہے اور اس نے پاکستان کے مقابلے میں ہمیشہ بھارت کا ساتھ دیا ہے، لہٰذا آج پاکستان کو عراق کے خلاف امریکی حملے کی حمایت میں ووٹ دینا چاہیے۔ اسلامی حمیت کسی حکمران کے شخصی کردار کو پیمانہ بنانے کی ہرگز اجازت نہیں دیتی۔ خلیج کی جنگ ١٩٩١ء میں کیا ہوا؟ صدام اور اس کا ظالم مقتدر ٹولہ تو محفوظ رہے، لاکھوں عراقی مسلمان اس

www.KitaboSunnat.com

ننگی جارحیت کا شکار ہوئے اور اب تک مصائب کی بھٹی میں جل رہے ہیں۔

اگر امریکہ بغداد پر تین ہزار بموں کی پہلے دن بارش کرتا ہے، جیسا کہ علی الاعلان اس کی دھمکی دی جارہی ہے، تو اس کا شکار کون ہوں گے؟ پاکستان پوری دنیا کا ٹھیکیدار نہیں بن سکتا، مگر ہم بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام پر آخر کیوں کر خاموش رہ سکتے ہیں؟ اسلامی اُخوت اور انسانیت دونوں ہمیں ایسے خون آشام ہولناک مناظر دیکھ کر پرسکون کیسے رہنے دے سکتی ہے؟ ہم کیوں بھول جاتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ مختلف ملکوں میں تقسیم ہونے کے باوجود اُصولی اور نظریاتی طور پر ایک جسم واحد کی طرح ہے اور مسلمان خواہ کہیں ہوں، اسی ملت کے اعضاء وجوارح ہیں۔ عراقی مسلمان تو کلمہ گو ہیں، امریکہ اس طرح اگر کسی غیر مسلم ملک کے بے گناہ شہریوں کو بھی وحشیانہ جارحیت کا نشانہ بنائے تو اسلام ایسی جارحیت کی حمایت کی اجازت نہیں دیتا۔ حضورِ اکرم کا ارشادِ گرامی ہے:

''ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے ایسا ہے کہ جیسے کسی دیوار کی اینٹیں کہ ایک اینٹ دوسرے اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔'' (بخاری مسلم)

اسے ملتِ اسلامیہ کی سیاہ بختی نہ کہیے تو اور کیا نام دیں کہ آج اس دیوار کی اینٹیں ایک دوسرے کو سہارا دینے کی بجائے ایک دوسرے سے ٹکرا کر اسے پاش پاش کر رہی ہیں۔ دشمنانِ اسلام جب چاہتے ہیں، ایک اینٹ کو دوسری اینٹ سے بجا دیتے ہیں اور مسلمان ان کی دوستی کے فریب سے باہر نکلنے کو تیار نہیں ہیں!!

'سب سے پہلے پاکستان' اور فکرِ اقبال وقائد

ایک مسلمان کے لیے قرآن وسنت کی شہادت کے بعد کسی دوسرے فرد کی رائے قابل حجت نہیں ہونی چاہیے مگر ہمارے ہاں ایک طبقہ اسلام کی وہی تعبیر قابل قبول سمجھتا ہے جسے قومی مشاہیر کی آرا کی تائید حاصل ہو۔ جان بوجھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ 'علما کا اسلام' اور 'مشاہیر کا اسلام' دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ حالانکہ اسلام کی تعلیمات ابدی ہیں اور کوئی سچا مسلمان ان سے روگردانی نہیں کرسکتا۔

جو لوگ آج 'سب سے پہلے پاکستان' کی بات کرتے ہیں، وہ بارہا اپنے بیانات میں کہہ

www.KitaboSunnat.com

چکے ہیں کہ وہ پاکستان کو علامہ اقبال اور قائداعظم کے افکار کی روشنی میں ایک فلاحی اسلامی مملکت کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ان میں بعض تو یہاں تک بھی کہہ دیتے ہیں کہ وہ پاکستان میں 'قائد اعظم کا اسلام' نافذ کرنا چاہتے ہیں۔مگر جب انہوں نے 'سب سے پہلے پاکستان' کی پالیسی اپنائی تو اس کی تائید میں نہ تو علامہ اقبال کی فکر سے کوئی حوالہ پیش کیا اور نہ ہی قائداعظم کے اقوال سے اس کی تائید ثابت کی۔علامہ اقبال نے تو اپنے اشعار میں 'پان اسلام ازم' اور ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کا اس کثرت سے اظہار کیا ہے کہ اگر ان کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو اچھا خاصا مجموعہ مرتب ہو جائے گا۔ان کے یہ اشعار تو بے حد معروف ہیں:

؎ اُخوت اس کو کہتے ہیں چبھے کانٹا جو کابل میں ہندوستان کا ہر پیرو جوان بے تاب ہو جائے

؎ اگر تہران ہو عالم مشرق کا جنیوا مسلمانانِ عالم کی تقدیر بدل جائے !

؎ بتانِ رنگ خون کو توڑ کے ملت میں گم ہو جا نہ تورانی رہے باقی ، نہ ایرانی نہ افغانی !

؎ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے نیل کے ساحل سے لے تابخاکِ کاشغر

ہمارا سیکولر طبقہ تو قائداعظم کی محض ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء والی تقریر کے چند جملے ہی ازبر کیے ہوئے ہے۔دیگر دانشور بھی قائداعظم کے ان بیانات کا ذکر کم ہی کرتے ہیں جن میں انہوں نے عالم اسلام سے یک جہتی کا اظہار کیا ہے۔ہم ذیل میں قائداعظم کے چند بیانات نقل کرتے ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ مسلم ممالک کے خلاف کسی قسم کی جارحیت پر کس قدر تشویش میں مبتلا ہو جاتے تھے۔

۱۹۳۹ء میں جنگِ عظیم دوم شروع ہوگئی تھی۔اس وقت مشرقِ وسطیٰ میں مسلم ممالک کی آزادی خطرے میں تھی۔۲۹/ستمبر ۱۹۴۰ء کو قائداعظم کی زیرصدارت 'آل انڈیا مسلم لیگ کونسل' کا اجلاس منعقد ہوا۔اس اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ

''اس امر کے پیش نظر کہ حال ہی میں ہند میں ایسی اطلاعات موصول ہوئی ہیں اور ان کا اعادہ ہوا کہ یہ اِمکان موجود ہے کہ جنگ کے شعلے پھیل جائیں اور مسلم ممالک: مصر، فلسطین، شام اور ترکی کی آزادی اور اقتدارِ اعلیٰ کے خلاف خارجی قوتوں کا جارحانہ اقدام ہو۔صدر مسلم لیگ ایک دن مقرر کریں جس کا مقصد مسلمانانِ ہند کی جانب سے مسلم ممالک کے ساتھ گہری ہمدردی کا اظہار اور تشویش کا مظاہرہ ہو اور ان ملکوں کو یہ بتانا جن

www.KitaboSunnat.com

کے مسلمان ملکوں کے خلاف ایسے عزائم ہوں کہ مسلم ممالک کے خلاف حملے کی صورت میں مسلم ہند ان کی حمایت کی غرض سے کھڑا ہونے پر مجبور ہو جائے گا اور انہیں جملہ حمایت فراہم کرے گا جو وہ کرسکتا ہے۔''

(' قائداعظم: تقاریر و بیانات' جلد دوم/ص ۳۹۹، شائع شدہ بزمِ اقبال)

اس قرارداد کو روبہ عمل لانے کے لیے ۱۱/ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو مسلمانانِ ہند سے یکم نومبر کو 'یومِ مسلم ممالک' منانے کی اپیل کی۔ 'دی سٹار آف انڈیا' نے اے پی آئی کے حوالے سے ۱۲/ اکتوبر ۱۹۴۰ کو ان الفاظ میں خبر شائع کی:

''مسٹر ایم اے جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے اعلان کیا ہے کہ یکم نومبر کو 'یوم مسلم ممالک' منایا جائے جس کا مقصد مسلمان ممالک کے حق میں مسلم ہند کے گہرے جذبات ہمدردی اور تشویش کا اظہار اور مظاہرہ کرنا ہو، تاکہ مسلم ممالک کے خلاف ممکنہ عزم یا ان کی آزادی کے خلاف جارحانہ اقدامات کو روکا جاسکے۔'' (حوالہ: ایضاً)

اس بیان میں قائداعظم نے فرمایا:

''آل انڈیا مسلم لیگ کی قرارداد کے مطابق جس میں مجھے ایک دن مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، میں نے یکم نومبر کا دن مقرر کر دیا ہے جو رمضان المبارک کا آخری جمعہ یعنی جمعۃ الوداع ہوگا تاکہ اس دن مسلم ممالک کے حق میں مسلم ہند کی طرف سے گہرے جذبہ ہمدردی کا اظہار اور مظاہرہ کیا جائے۔ اس نازک لمحے میں جب جنگ کے شعلے پھیل رہے ہیں، کسی بھی ممکنہ جنگ یا مسلم ممالک کی آزادی اور خود مختاری کے خلاف جارحیت کا سدباب ہو سکے گا۔'' (ایضاً: ص ۴۰۰)

انہوں نے کہا ''میں اُمید کرتا ہوں کہ یہ دن اسلامی روایات کے شایانِ شان انداز سے منایا جائے گا۔'' (ایضاً: ص ۴۰۰)

یکم نومبر ۱۹۴۰ء کو 'یومِ مسلم ممالک' کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی مدد کریں، وہ جہاں بھی ہوں؛ چین سے لے کر پیرو تک۔ چونکہ اسلام نے یہ ہمارا فرضِ منصبی قرار دیا ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کو بچانے کی خاطر جائیں۔ جلسے کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے مسٹر جناح نے کہا کہ مسلم بھائیوں کی طرف دستِ اعانت دراز کرنا، مسلم لیگ کے آئین میں عقیدہ کی ایک شق ہے۔ واقعات تیزی سے رونما ہو رہے ہیں اور کسی کو خبر نہیں کہ کب حملہ ہو جائے

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس اسلحہ اور بارود تو نہیں ہے لیکن ایک ہزار ایک طریقے ہیں جن کے ذریعے ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی امداد کر سکتے ہیں، اگر وہ مصیبت میں پھنس جائیں۔' آل انڈیا مسلم لیگ کونسل' نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ شروع میں ہلال احمر مشن کے قیام کے ضمن میں تیاری کی جائے جو اور کچھ نہیں تو زخمیوں کی امداد ہی کرے گا۔'' (ایضاً: ص ۴۰۱)

روزنامہ 'نوائے وقت' کے چیف ایڈیٹر جناب مجید نظامی صاحب جو بلا شبہ اس وقت پاکستانی صحافت کے برگد بھی ہیں اور گلِ سرسبد بھی۔ انہوں نے حریتِ فکر اور اسلامی حمیت کے اظہار کی قابل رشک روایات قائم کی ہیں۔ ابھی حال ہی میں ان کا ایک تفصیلی انٹرویو شائع ہوا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا:

''اپنے مفادات سے اگر آپ کی مراد 'سب سے پہلے پاکستان' ہے تو میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ یہ پالیسی غیر اسلامی ہے، خود غرضی کی پالیسی ہے۔ اگر آپ سب سے پہلے پاکستان کہیں گے تو کوئی آپ کے ساتھ بھی کھڑا نہیں ہوگا۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ سب کے ساتھ کھڑے ہوں، پوری مسلم اُمہ ہمارے ساتھ کھڑی ہو، ہم اس کے ساتھ ہوں۔ یہ نہیں کہ ہم 'سب سے پہلے پاکستان' کا نعرہ لگا کر پورے عالم اسلام کو فراموش کر دیں۔'' (نوائے وقت: ۵/مارچ ۲۰۰۳ء)

جناب مجید نظامی نے پاکستانی عوام کی اُمنگوں اور دینی حمیت کی حقیقی ترجمانی کی ہے۔ محترمہ طیبہ ضیا 'مکتوبِ امریکہ' کے عنوان سے کچھ عرصے سے 'نوائے وقت' میں کالم لکھ رہی ہیں۔ بعض دفعہ تو وہ بے حد بے لاگ اور برجستہ تبصرہ کرتی ہیں۔ عراق کے متعلق حکومتِ پاکستان کے مؤقف کے متعلق وہ مخصوص نسوانی مگر لطیف پیرائے میں یوں اظہارِ خیال کرتی ہیں:

''عراق کے ایشو پر ہماری حکومت کا موقف متوسط گھرانے کی ایک ایسی دوشیزہ کا ہے جس کا جبراً نکاح کیا جائے، وہ دل سے راضی نہیں مگر معاشرے کے خوف سے ناں بھی نہیں کہہ سکتی۔ اس کی خاموشی کو رضامندی تصور کیا جاتا ہے۔ ہماری شرمیلی و بزدل حکومت بھی عراق کو نیست و نابود کرنے میں امریکہ کو ہاں کہتی ہے تو بے پیندے کے لوٹے کی طرح قلابازیاں کھاتا ہوا اقتدار مزید خطرے میں پڑ جاتا ہے اور اگر صاف انکار کرے تو 'امریکی جگّے' کی کھلی عداوت کو دعوت دینا مقصود ہے لہٰذا خاموشی بہتر ہے۔ ایک کمزور اور بزدل دوشیزہ کو بھی علم ہے کہ کامیاب زندگی کی ضمانت 'سب سے پہلے، میرا گھر' کے فارمولے میں پنہاں ہے۔ 'سب سے پہلے پاکستان' نہیں بلکہ سب سے پہلے اقتدار کا 'رولا' ہے۔'' (نوائے وقت: ۱۶/مارچ)

www.KitaboSunnat.com

ہمارا موقف کیا ہونا چاہیے ؟

عراق کی موجودہ صورتحال کا موازنہ ۱۹۹۱ء کے حالات سے کیا جا سکتا ہے، نہ افغانستان پر امریکی حملے سے اس کی کوئی مماثلت ہے۔ ۱۹۹۱ء میں عراق نے کویت کے خلاف ننگی جارحیت کی تھی اور سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک اس کے خلاف جنگ میں شریک تھے۔ ۱۱ر ستمبر کے بعد جب امریکہ نے افغانستان پر فوجی یلغار کی تو حکومتِ پاکستان نے امریکہ کے شدید دباؤ، بھارت کی ممکنہ جارحیت اور مزعومہ عالمی برادری کے اخلاقی دباؤ کا سہارا لے کر امریکہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ مگر اب نہ تو امریکہ کی طرف سے کوئی ایسا دباؤ ہے کہ جس میں کہا گیا ہو کہ آپ فیصلہ کریں کہ ''یا آپ ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے دشمن ہیں۔'' عالمی برادری میں تنہا ہوجانے کا بھی کوئی خدشہ نہیں ہے، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ عالمی برادری اور عالمی ضمیر واضح طور پر عراق پر امریکی حملے کے خلاف ہے۔ برطانیہ اور سپین کے علاوہ کوئی قابل ذکر ملک نہیں ہے جس نے امریکہ کی حمایت کی ہو۔ ان ممالک کے عوام نے بھی ممکنہ جنگ کے خلاف بھرپور احتجاج کیا ہے۔ ٹونی بلیر کی کابینہ کے دس ارکان نے مستعفی ہونے کی دھمکی دی ہے۔ امریکی عوام کی اکثریت عراق پر حملے کے حق میں نہیں ہے۔ عوام کی تو بات ایک طرف، امریکہ کے سابق صدور بل کلنٹن اور جمی کارٹر نے واضح طور پر عراق کے خلاف جنگ کی مخالفت کی ہے اور اس جنگ کا اصل مقصد 'تیل پر قبضے' کو قرار دیا ہے۔ (نیویارک ٹائمز ۱۰ر مارچ)

بعض خبروں میں عراقی تیل کے بعض کنویں اسرائیل کے حوالے کرنے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ تاکہ اسرائیل کو اقتصادی لحاظ سے بھی ایک برتر ملک بنادیا جائے اور امریکی حکومت کو اسرائیل کی مستقل مالی امداد میں کچھ ریلیف مل سکے۔ اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری کوفی عنان جو ہمیشہ امریکی صدر کی چشم ابرو کے اشارے کے منتظر رہتے تھے، وہ بھی امریکہ کو کھری کھری سنا رہے ہیں۔ وہ دومرتبہ کہہ چکے ہیں کہ عراق پر حملے کا فیصلہ سلامتی کونسل کا کام ہے اور منظوری کے بغیر حملہ یا صدر صدام کو ہٹانے کی کاروائی اقوامِ متحدہ کے اُصولوں کی خلاف ورزی ہوگی۔

غیر وابستہ تحریک کے ۱۱۶ر ارکان، اسلامی سربراہی کانفرنس کے ۵۷ر اسلامی ممالک اور افریقی کانگریس کے ۴۵ر ممالک کی تنظیموں نے متفقہ قراردادوں کے ذریعے عراق کے خلاف

www.KitaboSunnat.com

ممکنہ جنگ کو مسترد کرتے ہوئے اس مسئلے کا پرامن حل تلاش کرنے پر زور دیا ہے۔

ان حالات میں 'سب سے پہلے پاکستان' کا فلسفہ بھی قابل فروخت نہیں ہے۔ مصالح دینیہ اور اخلاقی داعیہ تو ایک طرف، عراق کے خلاف امریکہ کی حمایت کے لیے کوئی 'مصالح کلیہ' اور 'مقاصد علیا' تراشنا بھی کسی دانشور کے ذہنِ رسا کے لیے آسان نہیں ہے کہ دانش مندوں کو لائق نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے حکمت ناشناس جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔ ہم نہیں کہتے کہ جن لوگوں نے افغانستان کے معاملے میں امریکہ کی حمایت کو پاکستان کے مفادات کے تحفظ کے لیے ضروری قرار دیا، وہ جہل وسفاہت کے پیکر تھے، مگر افغانستان کے مسلمانوں کو جن زہرہ گداز مصائب سے گزرنا پڑا، اس کے پیش نظر ان کی سوچ کو تدبر، لیاقت اور حکمت وفراست کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

اب بھی جو لوگ امریکہ کی ناراضگی مول نہ لینے کے مشورے دے رہے ہیں، وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ آخر وہ کون سے مفادات ہیں جن کے حصول کی خاطر اس قدر بے اُصولی پر مبنی اور عالمی ضمیر سے متصادم پالیسی اختیار کی جائے۔ اگر 'مفادات' سے ان کی مراد امریکی ڈالروں کا حصول ہے تو افغانستان کے معاملہ میں فرنٹ لائن ریاست کا کردار ادا کرنے کے باوجود حکومت پاکستان کو اب تک کیا ملا ہے جس کی توقع اب کی جاسکتی ہے۔ اگر ان کے ذہن میں یہ خیال جاگزیں ہے کہ اس طرح وہ اپنے اَزلی دشمن بھارت کی ممکنہ جارحیت کے خطرے سے محفوظ رہیں گے تو یہ محض ان کی خام خیالی ہے۔ نام نہاد دہشت گردی کے خاتمے کی جنگ میں اس قدر پرجوش حمایت کے باوجود پاکستان میں امریکی سفیر نینسی پاول اور دیگر امریکی پالیسی سازوں کے بیانات ہمارے لیے غور وفکر کا کافی سامان رکھتے ہیں۔ کوئی ضریر البصر (اندھا) شخص ہی ایسے ننگے اور بے رحم حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے کسی خیالی امریکی چھتری کے سائے میں پناہ ڈھونڈنے کی بات کرسکتا ہے۔ آخر کب تک ایٹمی پاکستان کو بھارت کا خطرہ مسلط کرکے یوں بلیک میل کیا جاتا رہے گا؟ اگر پاکستانی قیادت اس بلیک میلنگ سے باہر نہ نکلی تو پاکستانی قوم میں بزدلی، خوف اور دہشت زدگی کی نفسیات پیدا ہوجائے گی۔ ہمارے دشمن چاہتے ہیں کہ ہمارا مورال بلند نہ رہے۔ امریکہ کو اڈّے فراہم کرنے اور جہادی تنظیموں پر پابندی عائد کرنے کے بعد بھی پاکستان

www.KitaboSunnat.com

کو 'دراندازی' کے الزامات سے متّہم ٹھہرایا جا رہا ہے۔امریکہ ہمیں بھارتی جارحیت کے خلاف تحفظ تو کیا فراہم کرے گا، پاکستانیوں کو رجسٹریشن جیسے ظالمانہ قانون سے مستثنیٰ قرار دینے کی ہماری لجاجت آمیز درخواست کو بھی قابل پذیرائی نہیں سمجھا گیا۔۱۰۳/ پاکستانیوں کو ہتھکڑیوں میں جکڑ کر پاکستان بھیجنے کی تصاویر کیا کم عبرت آموز ہیں.....؟ (۱۴/مارچ کے تمام اخبارات)

جناب مشرف جو امریکی پریس سے 'ہیرو' کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں، خود ہی پاکستان کی باری آنے کا خدشہ ظاہر کر چکے ہیں۔جب کہ اسرائیلی وزیراعظم نے عراق کے بعد جن ممالک کی باری کا برملا اعلان کیا ہے، ان میں پاکستان کا نام بھی شامل ہے۔عراقی کی فوجی وسیاسی مشاورتی فرم 'سٹریٹ فور' کے چیف انٹیلی جنس آفیسر ڈاکٹر جارج فورمین نے انتباہ کیا ہے:

''عراق کے خلاف جنگ میں شرقِ اوسط اور خلیج کے علاوہ جنوبی ایشیا کا نقشہ بدل جائے گا۔ دہشت گردوں سے نمٹنے میں ناکامی کا الزام لگا کر پاکستان کے خلاف کاروائی ہو گی۔ الزام لگایا جائے گا کہ پاکستان نے جان بوجھ کر دہشت گردوں سے آنکھیں بند کیے رکھیں۔'' (جنگ: ۱۵/مارچ)

پاکستان پر شمالی کوریا کو ایٹمی ٹیکنالوجی فروخت کرنے کا شرارت انگیز الزام بھی عائد کیا جارہا ہے اور پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر بنیاد پرستوں کے قبضہ کا یہودی پریس مسلسل خدشہ ظاہر کر رہا ہے۔ ان حالات میں امریکہ اور پاکستان کی 'دوستی' کا 'ہنی مون' بہت دیر تک چلتا دکھائی نہیں دیتا!!

۱۲/مارچ کو سیکورٹی کونسل میں امریکہ کی دوسری قرارداد پر ووٹنگ ہونی تھی جو مطلوبہ اکثریت نہ ملنے کے خدشہ کے پیش نظر چند دنوں کے لیے ملتوی کر دی گئی۔ چند دنوں میں اسے دوبارہ پیش کیا جائے گا۔ پاکستان اس وقت سیکورٹی کونسل کے ۱۵/ارکان میں شامل ہے۔امریکہ کی جانب سے پاکستان پر مسلسل دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ وہ اس قرارداد کی حمایت میں ووٹ ڈالے۔حکومتِ پاکستان سخت آزمائش سے دوچار ہے۔صدر پرویز مشرف سیکورٹی کونسل میں پاکستان کی رکنیت کو 'بدقسمتی' قرار دے چکے ہیں۔وزیراعظم جناب جمالی نے بھی کہا ہے کہ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ پاکستان ووٹنگ کے عمل میں غیر حاضر رہنے کو ترجیح دے گا۔حکومتِ پاکستان کے اربابِ بست وکشاد جو جی میں آئے، کر گزریں مگر ہم ان کی خدمت

www.KitaboSunnat.com

میں صرف اتنا عرض کریں گے کہ اگر انہیں پاکستانی عوام کی اُمنگوں کا واقعی لحاظ ہے جیسا کہ جمالی صاحب نے ارشاد فرمایا، تو پھر انہیں عراق پر ممکنہ امریکی جارحیت کی کھل کر مخالفت کرنی چاہیے، اس سلسلے میں کسی قسم کی مداہنت یا خوف کو بالائے طاق رکھ کر بات کرنی چاہیے۔ اگر ان کے دلوں میں عالمی ضمیر اور عالمی برادری کے جذبات کا ذرّہ بھر بھی احساس ہے، تو پھر ان کے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کہ وہ عالمی ضمیر کی آواز پر لبیک کہیں اور امریکہ کی ناراضگی کو درخورِ اعتنا نہ سمجھیں۔ اگر وہ پاکستان کے حقیقی مفادات کا تحفظ چاہتے ہیں تو انہیں عراق کے خلاف بلا جواز عسکری جارحیت کی ہرگز حمایت نہیں کرنی چاہیے کیونکہ کل کلاں اگر بھارت پاکستان کے خلاف در اندازی یا کسی اور بے بنیاد الزام کی بنا پر جارحیت کا ارتکاب کرتا ہے تو پاکستان عالمی برادری کی اخلاقی حمایت حاصل کر سکے گا۔

پاکستان ابھی سوچ ہی رہا ہے کہ سلامتی کونسل میں کیا موقف اختیار کرنا ہے۔ سفارتی کوششوں اور اخلاقی دباؤ کو ناکام دیکھتے ہوئے امریکی صدر جارج بش نے شاطرانہ چال چلتے ہوئے ۱۶/مارچ کو پاکستان پر فوجی حکومت کی وجہ سے لگنے والی امریکی پابندیاں ختم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ جارج بش اس غیر متوقع لطف وکرم کا فوری سبب یہ بیان کرتے ہیں: ''اس طرح پاکستان کو مکمل جمہوریت کی طرف بڑھنے میں مدد ملے گی۔'' (نوائے وقت) گویا موصوف کو عین اس وقت پاکستان میں جمہوریت کی فکر کا دورہ پڑا ہے۔ امریکی صدر نے ایک اور مژدۂ جانفزا بھی سنایا: ''میں جمالی کو امریکہ آمد پر ۲۸/مارچ کو خوش آمدید کہوں گا۔'' گویا موصوف یہ سمجھتے ہیں کہ ایٹمی پاکستان کے وزیراعظم کی وائٹ ہاؤس میں باریابی ایک اتنا بڑا اعزاز ہے کہ جس پر ریجھ کر جمالی صاحب امریکہ کے حق میں ووٹ دے دیں گے۔ جارج بش صاحب جو اپنی قوم کے دانشوروں سے سفاہت وغباوت کے اَلقاب حاصل کر چکے ہیں، پاکستانی قوم کے بارے میں یہ 'حسن ظن' رکھتے ہیں کہ وہ ان کے 'خلوص' کو شک کی نگاہ سے نہیں دیکھے گی۔ موصوف نجانے کیسے سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے وزیراعظم کو موم کرنے کے لیے محض ان کھوکھلے اعزازات کی پیش کش ہی کافی ہے۔ کوئی حکمت ودانش سے عاری شخص ہی اسی سفارتی رشوت کے اصل عزائم کو سمجھنے سے قاصر رہے گا.....!!

موجودہ حالات میں امریکی قیادت کے جنگی جنون کی حمایت کا معمولی سا تاثر بھی پاکستان

www.KitaboSunnat.com

کو بین الاقوامی برادری اور اُمتِ مسلمہ کی نگاہ میں گرانے کا باعث بنے گا۔ عالم اسلام پاکستان کو ایک باوقار ایٹمی قوت کی حامل اسلامی ریاست سمجھتا ہے۔ وہ پاکستان سے بجا طور پر مثبت اور قائدانہ کردار کی توقع کرتا ہے۔ آزمائش کی اس گھڑی میں اس مملکتِ خداداد کے وقار کو داؤ پر نہ لگائیں۔ ملتِ اسلامیہ کے اَربوں افراد کے جذبات کو نظر انداز کرنے کے ہم بحیثیتِ قوم متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہمارا ماضی بھی اسلام سے وابستہ تھا، ہماری موجودہ شناخت بھی اسلام کے نام پر ہے اور مستقبل میں بھی ہمارا حوالہ صرف اور صرف 'اسلام' ہی ہوگا۔

ہم اپنے سیکولر اور لبرل ہونے کا لاکھ واویلا کریں، ہمارے دشمن ہمیں صرف اور صرف مسلمان کی حیثیت سے ہی پہچانیں گے۔ ان کی نگاہ میں پاکستان کا ایٹم بم ہمیشہ 'اسلامی بم' ہی رہے گا۔ ہمیں کسی خود فریبی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنی شناخت کے لیے نئے بت تراشنے کا فائدہ نہیں ہوگا۔ پاکستان ملتِ اسلامیہ کے ساتھ اٹوٹ رشتۂ اُخوت میں منسلک ہے، یہی رشتہ ہمارے لیے سرمایۂ افتخار کل بھی تھا، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔ ان شاء اللہ

ہادیٔ برحق امام الانبیا حضرت محمد ﷺ کی زبانِ اقدس سے نکلے ہوئے درج ذیل الفاظ پاکستان جیسی اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کی بنیاد ہونے چاہئیں:

مثل المؤمنين في توادّهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد، إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى (مسلم؛ ۲۵۸۶)

''مسلمانوں کی مثال باہمی مودّت ومرحمت اور محبت وہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم واحد کی۔ اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے تو سارا جسم اس کی تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے۔''

(ع ص) ☆☆

مدیرانِ جرائد کی خدمت میں ہمارے لئے یہ اَمر خوش آئند ہے کہ ملک وبیرونِ ملک علمی ودینی جرائد اور اخبارات میں محدث کے مضامین کو دوبارہ شائع کیا جاتا ہے۔ ہماری اپنے ان کرم فرماؤں سے گذارش ہے کہ انہیں اخلاقی طور پر کم از کم 'ماہنامہ محدث لاہور' کا حوالہ ضرور دینا چاہئے۔ مضامین کی اشاعت میں غلطیوں سے بچنے کیلئے محدث کی ویب سائٹ www.isslam.com پر ہر مضمون کی ٹائپنگ کی فائلیں بھی رکھی جاتی ہیں اگر ان سے استفادہ کیا جائے تو جہاں ان کی محنت بچے گی، وہاں غلطیاں کم ہونے کا امکان بھی یقینی ہوجائے گا یہ مضامین ادارۂ محدث سے بھی فون کے ذریعے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ ادارہ

www.KitaboSunnat.com

اَدیان و مذاہب
[دسمبر۲۰۰۲ء کے بعد دوسری قسط]

مولانا محمد علی قصوری
ایم اے، کینٹب

کیا قرآن کی رُو سے حضرت عیسیٰؑ میں اُلوہی صفات تھیں؟

قرآنِ کریم میں تعلیم توحید اور مخالفین کی شہادتیں

یہ ہوسکتا تھا کہ آیاتِ براءت کو پادری صاحب نے بوجہ اپنی لاعلمی اور قرآن کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مدارِ فضیلت قرار دے دیا ہو اور دیدہ دانستہ ایسا حق کش رویہ اختیار نہ کیا ہو۔ لیکن ان کا یہ بیان کہ ''قرآن خود عیسیٰ کی اُلوہی صفات کا مؤید ہے'' ایک ایسا سفید جھوٹ اور صریح افترا ہے کہ اس کے بعد کسی قسم کے حسن ظن کا موقعہ ہی نہیں رہتا۔ اور یہی معلوم ہوتا ہے کہ تعصب کی پٹی نے ان کو بالکل اندھا بنا دیا ہے اور وہ ارادۃً جھوٹ بولنے سے نہیں ٹلتے اور یہ کہتے ہیں کہ قرآنِ حکیم اُلوہیت مسیح کا مؤید ہے۔

پادری ای ایم وری کو بھی کتاب 'دین اسلام' میں جو انہوں نے اسلام کی تردید میں لکھی ہے، اس امر کے اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ

''قرآن میں توحید پر ایسا زور دیا گیا ہے کہ خدا کی توحید میں شرک کو دخل ہو ہی نہیں سکتا''

فاضل مصنف 'لی بان' نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف کتاب 'انقلابِ اُمم' میں صاف لکھا ہے:

''اسلام کی مابہ الامتیاز دو چیزیں ہیں: ایک اس کی بے لوث توحید جو ہر طرح کے شرک سے پاک ہے اور دوسرا عمل اُخوت۔'' "الفضل ما شهدت به الأعداء"

قرآنِ کریم سے حضرت عیسیٰ کی اُلوہیت پر پادری کے دلائل

مصنف 'حقائق القرآن' نے جس آیت سے حضرت عیسیٰ میں اُلوہی صفات کی موجودگی کا استدلال کیا ہے، وہ ان کے خبثِ باطن کی دلیل ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس آیت کا سرا جو فی الحقیقت حضرت عیسیٰ کی اُلوہیت کی تردید میں ہے، لے کر اس سے استدلال کرنا شروع کر دیا ہے۔ مکمل آیت یوں ہے:

www.KitaboSunnat.com

① ﴿وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الاَكْمَهَ وَالاَبْرَصَ بِإِذْنِيْ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِيْ﴾

''اے عیسیٰ ابن مریم! یاد کر جب تو میرے حکم سے پرندوں کی سی صورت مٹی سے بناتا تھا۔ پس اس میں پھونک مارتا تھا۔ پس وہ میرے حکم سے سچ مچ کا پرندہ ہوجاتا تھا۔ پھر تو مادر زاد اندھے کو اور برص والے بیمار کو میرے حکم سے شفا دیتا تھا اور مردوں کو میرے حکم سے جلاتا تھا۔'' (المائدۃ:۱۱۰)

② ﴿وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَأُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَايَكُوْنُ لِيْ أَنْ أَقُوْلَ مَالَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ﴾

''اور جب اللہ کہے گا: اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! کیا تم نے لوگوں سے کہا کہ مجھ کو اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود (یعنی خدا کا بیٹا اور اُلوہی طاقتوں سے متصف) بنا لو تو عیسیٰ عرض کریں گے کہ پاک ہے تو، مجھ سے کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ تھا؟ اگر میں نے کہا ہوتا تو اللہ تو جانتا ہے۔ میں نے تو ان سے یہی کہا کہ ایک اللہ کی پرستش کرو جو تمہارا اور میرا پالنے والا ہے۔'' (المائدۃ:۱۱۶)

قارئین! ان سب آیات پر غور کریں کہ کس طرح ان آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اُلوہی صفات سے متصف ہونا پایا جاتا ہے۔ سب سے پہلے تو اس عظیم الشان تردید کو لیجئے کہ ''میں نے نہیں کہا، مجھ سے کیسے ہوسکتا تھا کہ میں ناحق بات کہوں؟'' یعنی خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے دعویٰ اُلوہیت کی تردید کرائی ہے۔ پھر ہر انعام کے بعد بِإِذْنِي کے اضافہ پر غور کیجئے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ یہ سارے کام خود نہیں بلکہ اللہ کی تائید اور اس کی خصوصی عطا (معجزہ) کے طور پر کرتے تھے۔ اور یہ بات ہر صاحب نظر پر واضح ہے کہ

① نجار کا تیشہ نجار، لوہار کا ہتھوڑا خود لوہار اور انجینئر کا میٹر خود انجینئر نہیں ہوتا، اسی طرح

② معجزات کے صدور میں ہمیشہ اللہ کو اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔

اور قرآن میں دیگر انبیا کے متعلق بھی ایسا مذکور ہے، یہ صرف مسیح کی خصوصیت نہیں ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى؟ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءً ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاتِيْنَكَ سَعْيًا﴾

www.KitaboSunnat.com

(البقرہ:۲۶۰)

''جب ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! مجھے دکھلا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ اللہ نے کہا: کیا تمہیں ایمان نہیں، جواب دیا: ایمان تو ہے لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی۔ فرمایا: چار پرندے لو اوران کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو، پھر ہر پہاڑ پر انکا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں پکارو۔ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے۔''

ایک اور مقام پر مؤمنوں کو خطاب فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰه وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے کہنے کو بجالاؤ جب کہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہوں۔'' (الانفال:۲۴)

یہاں حضرت ابراہیمؑ نے وہی کام کیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کرتے تھے۔ دوسرے مقام پر حضورِ سرور عالم ﷺ کی پکار کو اللہ نے اپنی پکار بتایا اور ان کی دعوت کو حیات بخش بتلایا کہ اسلام کی دعوت ہی اصل حیات بخش دعوت ہے۔ تو ان آیات سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ میں اُلوہی صفات ثابت کرنے کی کوشش کرنا کمالِ جہالت ہوگی۔

مقابلہ انبیا میں سب سے بڑی غلطی

اصل بات تو یہ ہے کہ مصنف 'حقائق القرآن' مقابلہ و موازنہ انبیا میں بہت ہی ٹیڑھے رستہ پڑ گئے ہیں۔ اور وہ بڑی فاش اُصولی غلطیوں کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ حسب ونسب، معجزات یا رفع اِلی السماء کسی طرح بھی مدارِ فضیلت نہیں ہو سکتے۔ یہ امر اس قدر واضح ہے کہ اس پر کچھ لکھنا فضول ہے کیونکہ اگر کوئی شخص دو بادشاہوں کا مقابلہ کرتے وقت یہ کہے کہ زار اروس شاہِ انگلستان سے بہتر بادشاہ تھا، کیونکہ پلاؤ پکانا اچھا جانتا تھا یا موسیو پائین کارے صدرِ فرانس، نیوٹن اور لائنیز سے بہتر ریاضی دان ہے کیونکہ اس کا باپ بہت بڑا ریاضی دان تھا جبکہ نیوٹن اور لائنیز دونوں کے والدین ریاضی سے بالکل بے بہرہ تھے۔ یا یہ کہے کہ نپولین ثانی، ڈیوک آف ونگٹن سے بڑا جنرل ہے کیونکہ ڈیوک ایک غیر معروف ماں باپ کا بیٹا تھا اور نپولین ثانی نپولین اعظم کا بیٹا یا پوتا تھا جو دنیا کا مشہور و معروف ترین جنرل تھا۔ یا ڈے کارٹ ارسطو سے بڑا فلسفی تھا کیونکہ ڈے

www.KitaboSunnat.com

کارٹ ہتھیلی پر سرسوں جما لیتا تھا یا سوکھے درخت کو ہرا کر دیتا تھا تو ظاہر ہے کہ ایسا شخص قابل التفات بھی نہیں کیونکہ ہر دو اشخاص کے مقابلہ میں ایک خاص معیار ہونا چاہئے۔

اگر دو شخصوں کا از روئے حسن مقابلہ ہو رہا ہے تو اس وقت ان کی ریاضی دانی کو معرضِ بحث میں لانا اور مدارِ فضیلت بنانا کمالِ حماقت ہے۔ اگر دو شخصوں کا مقابلہ از روئے اخلاق ہو رہا ہے تو اس میں ان کی جغرافیہ دانی یا طب کو معیارِ فضیلت بنانا کمالِ جہل کی نشانی ہوگا۔ اسی طرح یہ بدیہی امر ہے کہ جس حیثیت سے دو اشخاص کا مقابلہ ہوگا، وہی حیثیت مدارِ فضیلت ہوسکتی ہے نہ کہ دیگر خارجی اُمور۔

اسی طرح جب دو انبیا کرام علیہما السلام کا مقابلہ کیا جائے تو اس میں حسب ونسب، صدورِ معجزات وغیرہ خارجی اُمور ہیں جو کسی طرح بھی مدارِ فضیلت نہیں ہوسکتے بلکہ فرائض نبوت کی ادائیگی، اصلاح بین الناس اور نتائج نبوت ہی معیارِ فضیلت ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں جس قدر بڑے آدمی گزرے ہیں وہ ہمیشہ اپنی قابلیت، جہانبانی و جہانداری اور اصلاح بین الناس سے اپنے باپ دادا کے نام کو اوجِ فلک پر پہنچا دیتے ہیں اور انہیں حیاتِ جاوید بخشتے ہیں، نہ یہ کہ اپنے آباؤ اجداد کی ناموری پر اُدھار کھائیں۔

کیا پادری صاحب ایک مثال بھی بتا سکتے ہیں جس میں دنیا کے کسی شخص کو محض اس کے حسب ونسب کی بنا پر بڑا آدمی یا لیڈر آف مین تسلیم کیا ہو۔ ارسطو، افلاطون، سقراط، زرتشت، ابراہیم وموسیٰ، سیزر ولائینز و نیوٹن، ڈیکارٹ، شارلی مین، نپولین اعظم الغرض جتنے نام آپ کا جی چاہے، گن جائیں۔ ان میں سے کون ہے جس نے باپ دادا کی ناموری کی وجہ سے شہرتِ دوام حاصل کی ہو۔

اگر پادری صاحب کا دعویٰ تسلیم کرلیا جائے تو حضرت عیسیٰ کی کمالِ تنقیص لازم آتی ہے کیونکہ وہ اپنی افضلیت کے لئے اپنی والدہ کی شہرت کے محتاج ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اناجیل اربعہ کے مؤلفین ان پادری صاحب سے کہیں زیادہ عقلمند اور دور اندیش تھے کہ انہوں نے فسانۂ مسیح (کیونکہ اناجیل کو ایک فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں دی جاسکتی) تالیف کرتے وقت جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف بہت سی قبائح وذمائم کو بھی جنہیں وہ اپنے زعم باطل میں محاسن خیال کرتے

www.KitaboSunnat.com

تھے(گو دنیا کا نقطہ نظر ان سے کہیں مختلف ہے) منسوب کیا ہے۔ وہاں افتخار بہ عفتِ والدہ کا شرف قابل ذکر ہی نہیں سمجھا کیونکہ کوئی سادہ لوح آدمی بھی اس حسب کو وجہ شرف ومزیت خیال نہیں کرتا۔

اب ہم اس وجہ کے علاوہ جو اوپر ذکرِ مریم و پیدائش میں لکھ آئے ہیں اور ہر عقلمند سے جس کا جواب بخوبی مل سکتا ہے، بڑے زور سے یہ کہیں کہ بی بی آمنہ کا یہی شرف کیا کم ہے کہ وہ آنحضرت سرورِ عالم ﷺ کی ماں تھیں جو تمام انبیا علیہم السلام کے سردار، ان کی تعلیمات کے پورا کرنے والے اور نبوت کے سلسلہ کو مکمل وختم کرنے والے اور اللہ کی تعلیم کو قائم کرنے والے تھے اور اس بنیاد پر یہ ثابت کریں کہ آپ ﷺ ہر لحاظ سے حضرت عیسیٰؑ سے افضل و برتر تھے۔

اسلام نے اس سلسلے میں کمالِ اعتدال اور حسن ادب ملحوظ رکھا ہے۔ اگر آج مسلمانوں میں نبی آخر الزمان کے حوالے سے دوسرے انبیا پر فضیلت قائم کرنے کی کوششیں نہیں ملتیں تو اس کی وجہ نبی کریم کا یہ سنہرا فرمان ہے، جس نے اس بے کار بحث کو سرے سے ہی ختم کر دیا، آپ نے فرمایا: لا تفضلوا بين أنبياء الله (بخاری:۳۴۱۴، مسلم:۶۱۰۲)

''انبیا کے درمیان فضیلت کا مقابلہ نہ کیا کرو.....''

ایک روایت میں ہے: لا يقولن أحدكم إني خير من يونس بن متى (بخاری:۳۴۱۲)

''تم میں سے کسی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ کہے کہ میں حضرت یونس سے افضل ہوں۔''

نبی کا مدارِ فضیلت

رہا صدورِ معجزات و رفع الی السماء، سو اس کی نسبت ہم عیسائیوں کے جواب میں انہی کی الہامی تعلیم کو پیش کرتے ہیں۔ انجیل متی میں حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں:

''درخت کو تم اس کے پھلوں سے پہچانو گے۔'' (باب ۷/ آیت ۲۰)

لہٰذا ایک نبی کا مدارِ فضیلت فقط اس کی تعلیم اور تعلیم کے نتائج و اثرات ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ یہی ثمراتِ نبوت سے تعبیر کئے جا سکتے ہیں نہ کہ معجزات کہ ان میں محض خدا کی قدرت کے اظہار کے لئے نبی ایک آلہ محض ہوتا ہے۔ چنانچہ اس امر کا اعتراف خود حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نبوت میں وجہ ترجیح فقط نتائج نبوت ہی ہو سکتے ہیں۔ دیکھو انجیل متی

''تم میں سے کون ایسا آدمی ہے کہ اگر اس کا بیٹا اس سے روٹی مانگے تو اسے پتھر دے، یا اگر مچھلی

www.KitaboSunnat.com

مانگے تو اسے سانپ دے۔ پس جبکہ تم بڑے ہوکر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو تمہارا باپ جو آسمان پر ہے، اپنے مانگنے والوں کو اچھی چیزیں نہ دے گا۔" (باب ۷/آیت ۹ تا ۱۱)

پس نبی جو کمالِ توحید الٰہی اور تزکیۂ نفوس وتہذیبِ قلوب اور پرانے رسم و رواج کو بدعات کی الائشوں سے پاک کرنے اور قوانین الٰہی میں جو فتور واقع ہوتے ہیں، ان کو دور کرنے کے لئے آتا ہے۔ اگر محض چند معجزات دکھلا کر چلتا بنے۔ اور لوگوں کو طلبِ ہدایت کی پکار میں چند 'فوق الفطرت' افعال دکھلا کر رخصت ہو جیسا کہ حضرت مسیح کی زندگی کے مطالعہ سے جو اناجیل اربعہ میں موجود ہے، ظاہر ہوتا ہے۔ تو اس کی وہی مثال ہے کہ اس کے بیٹے نے مچھلی مانگی اور وہ اسے سانپ دے کر چلتا بنا اور اس نے روٹی مانگی اور وہ پتھر دے کر سدھارا۔ اس حالت میں حضرت مسیح کے اپنے فرمان کے مطابق ان کے آسمانی باپ کے متعلق ہم کوئی اچھی رائے قائم نہیں کر سکتے۔

چنانچہ اسی باب میں آگے چل کر حضرت مسیح صاف اقرار فرماتے ہیں کہ معجزات ثبوتِ نبوت نہیں ہوسکتے، چہ جائیکہ وہ ثبوتِ اُلوہیت ہوں۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ

"جھوٹے نبی بھی معجزات دکھلائیں گے۔ اور جو جو کام حضرت مسیح نے کئے ہیں، وہی وہ بھی کریں گے یعنی بدروحوں کو نکالیں گے۔ وغیرہ وغیرہ" (انجیل متی: باب ۷/آیت ۲۲)

اور پھر نبوت کا معیار بتاتے ہیں:

"(۱۶) ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لوگے۔ کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں.....

(۱۷) اس طرح ہر اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے اور بُرا درخت بُرا پھل لاتا ہے.....

(۱۸) اچھا درخت بُرا پھل نہیں لاسکتا، نہ بُرا درخت اچھا پھل لاسکتا ہے.....

(۱۹) جو درخت اچھا پھل نہیں لاسکتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے.....

(۲۰) پس ان کے پھلوں سے تم ان کو پہچان لوگے۔" (۱۶ تا ۲۰)

آیاتِ مندرجہ بالا میں حضرت مسیح نے صاف کہہ دیا ہے کہ نبوت کو تم ان کے نتائج سے پہچانو گے اور ذرا آیت ۱۸ پر غور کیجئے اور پھر اسے حضرت مسیح علیہ السلام کے نتائج نبوت پر چسپاں کیجئے۔ تو دیکھئے کہ خود حضرت عیسیٰ کی تمام عمر کی تعلیم کا صرف یہی نتیجہ نہیں نکلا کہ توحید کی بجائے تثلیث پھیل گئی اور آپ کے ساتھ بارہ منافقین کی جماعت پیدا ہوئی جن میں سے ایک

www.KitaboSunnat.com

نے تو آپ کو چند حقیر سکوں کے بدلے (انجیل متی: باب ۲۶/ آیت ۱۵/ مرقس: باب ۱۴/ آیت ۱۰،۱۱/ لوقا: باب ۲۲/ آیت ۳ تا ۶) گرفتار کروایا اور باقی گیارہ خوفِ مرگ سے بھاگ گئے اور ان میں سے سب سے افضل نے مرغے کی دو اذانوں کے وقفہ میں اپنے پیغمبر کی تین دفعہ تکذیب کی اور ایک دفعہ اس کو ملعون ٹھہرایا۔(انجیل یوحنا: باب ۱۸/آیات ۱۵ تا ۱۸ و لوقا: باب ۲۲/آیات ۵۴ تا ۶۲) ہم اس پر مفصل بحث بعد میں کریں گے۔ان شاء اللہ

فی الحال ہم فقط یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ موجودہ محرف عیسائی اعتقادات کی رو سے اگر مسیح بجائے چند معجزات دکھلانے کے ایک درجہ کا اخلاقی کوڈ لاتے، جس سے ان کے سامعین کے دلوں میں اعلیٰ اخلاقی اُصول سرایت کر جاتے اور اگر وہ چند اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے کی بجائے اخلاقی کوڑھیوں اور اندھوں کو تندرست کرتے اور بجائے تثلیث کے توحید ِ خالص اور بجائے تین خدا پر اعتماد کرنے کے خدائے واحد بلند و برتر پر اعتماد کی تعلیم دیتے۔(جبکہ امر واقعہ ایسا نہیں جیسا کہ قرآنِ کریم میں بیان ہو چکا ہے،لیکن عیسائی راہب تو انہی باتوں کی تعلیم دیتے ہیں۔) کیونکہ ہم بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ روحانیت اور اعلیٰ اخلاق کے متلاشی کے لئے تثلیث و کفارہ کا عقیدہ کسی طرح بھی سانپ اور بچھو اور زہر ہلاہل سے کم نہیں ہے۔ تو ان کو یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے اور جس کا جواب اب تک مسیحی دنیا دینے سے قاصر ہے،اب بتلاؤ کہ اس معیار کا کیا جواب ہے؟

انہی عیسائیوں کو یہی جواب ایک اور انداز سے اور انہی کی انجیل کی رو سے.....

''اچھا درخت بُرا پھل نہیں لاسکتا اور نہ بُرا درخت اچھا پھل لاسکتا ہے۔''.....اگر مسیح کی تعلیم اچھی تھی تو اس کا پھل ایسا بُرا کیوں نکلا۔ اگر محض معجزات کا صدور ہی ایک شخص کو اُلوہیت کے مرتبہ تک پہنچا دیتا ہے اور اسے سب انبیا سے افضل و برتر بنا دیتا ہے تو پھر حضرت مسیح کی تعلیم کا نتیجہ صرف بارہ منافقین کو داخل مسیحیت کرنے کی صورت میں ظاہر کیوں ہوا؟ کیا مردوں کا زندہ کرنا بہتر تھا یا ان بارہ منافقین کے مردہ دلوں میں روحِ اخلاق کا پھونکنا۔کیا مادر زاد اندھوں کوڑھیوں کو چنگا بھلا کر دینا زیادہ مفیدِ مطلب ہوتا یا اس بارہ اخلاقی اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرنا؟

www.KitaboSunnat.com

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا نتیجہ بھی بہتر ظاہر ہوا ہوتا تو مسیحی راہبوں کو کس قدر زیب دیتا کہ ہمارے حضرت سرورِ انبیا ﷺ سے ان کا مقابلہ کرنا شروع کرتے جنہوں نے کہ اپنی عین حیات میں تمام عرب سے شرک، بت پرستی، اخلاقی فواحش، شراب خوری، زنا، خانہ جنگی، قمار بازی، قتل دختراں، خیانت، بے رحمی اور قطع رحمی وغیرہ قسم کی برائیوں کو کامل طور پر نیست ونابود کرکے ان کی جگہ توحیدِ کامل، احسان، عفت وعصمت، حقیقی اُخوت ومحبت وموڈت کو رواج دیا۔ اور اس طرح ایک یا دو مردوں کو نہیں، بلکہ تمام کی تمام مردہ قوم کو زندہ کردیا۔ اور چند اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست نہیں بلکہ اندھوں اور کوڑھیوں کے ایک عالم کو تندرست کر دکھایا اور حجۃ الوداع میں ایک لاکھ چالیس ہزار فدائیوں کو ایک جھنڈے کے نیچے جمع کرکے دنیا کو صاف بتلا دیا کہ ''ہاں بالضرور، اچھا درخت بُرا پھل نہیں لاسکتا۔''

اس وقت مختصراً ہمارا منشا فقط یہی ثابت کرنا تھا کہ صرف مسیح کے معجزات نہ تو عقلاً اور نہ ہی واقعات کی بنا پر ان کے لئے باعثِ شرف ومزیت ہیں۔ اصل شرف کی بنیاد دوسری چیزیں ہیں۔ لیکن چونکہ اسلام نے ہمیں اس بحث میں پڑنے کی اجازت نہیں دی جیسا کہ نبی کریم کا فرمان بھی پیچھے گزر چکا ہے، لہٰذا مسلمانوں میں اس انداز پر سوچنے کے لئے ذہن تیار ہی نہیں ہوتے۔ اوپر کے پیراگراف میں بھی الزامی جواب کے طور پر جو کچھ ہم کہہ چکے ہیں، خدشہ ہے کہ راسخ العقیدہ مسلمان اس کو بھی پسند نہ کریں۔ سو انبیا کی باہمی فضیلت والی اس بحث سے مسلمان تو دور ہی بھلے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی اس طرح کے غلط صغرے کبرے قائم کرکے نبی آخر الزمان ﷺ کی شان میں گستاخی اور اسلام کو مطعون کرنے کا بہانہ بنالے۔ ہم نے یہ مضمون اسی مقصد کی وضاحت کے لئے تحریر کیا ہے۔

قرآنِ کریم میں نبی ﷺ کے معجزے

اسی جگہ استر دادا پادری کی ایک اور غلط بیانی کی تصحیح ضروری معلوم ہوتی ہے؛ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآنِ کریم میں آنحضرت ﷺ کا معجزہ مذکور نہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے ہم چار معجزوں کا ذکر کرتے ہیں، جو قرآن حکیم میں مذکور ہیں:

❶ شق القمر کا معجزہ: ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾ (القمر:۱)

www.KitaboSunnat.com

''قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔''

❷ کنکریاں پھینکنے کا معجزہ: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (الانفال:۱۷)

''اور جب آپ نے پتھر پھینکے تھے تو آپ نے نہیں پھینکے بلکہ خدا نے پھینکے تھے۔''

❸ بدر میں نزولِ فرشتگان کا معجزہ: ﴿أَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ﴾

''میں آپ کو ہزار پیہم آنے والے فرشتوں سے مدد دوں گا۔'' (الانفال:۹)

❹ واقعہ معراج: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا﴾ (الاسراء:۱)

''پاک ہے وہ اللہ جو اپنے بندہ کو ایک ہی رات میں لے گیا''

اور سب سے آخر لیکن سب سے ظاہر و باہر اور مسکت معجزہ خود قرآن حکیم کا زندہ معجزہ موجود ہے جس کا چیلنج چودہ سو سال سے لاجواب ہے۔ اور اب بھی اپنے مخالفین کو:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ (البقرہ:۲۳) ''

اگر تم کو اس چیز کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شبہ ہے جو ہم نے اپنے بندہ پر اتاری ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو اکٹھا کر لو، اگر تم سچے ہو۔''

سنا کر چیلنج دے رہا ہے۔ پادری صاحب کو اگر طاقت ہے، تو میدان میں آئیں اور بمصداق ؎ پدر اگر نتواند پسر تمام کند

ڈاکٹر منگانا اور مارگولیتھ وغیرہ جس امر میں ناکام رہے ہیں، ان کی ناکامی کی شرمساری اُتاریں۔ اور قرآنِ حکیم کے اس چیلنج کو قبول کر کے ایک آیت اور فقط ایک آیت بنا کر دنیا کے سامنے پیش کریں۔ نہیں تو انجیل کا ہی قرآن سے مقابلہ کر لیں۔ اور فی الحقیقت:

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلت بائید از ورودِ مہتاب

آنحضرت سرورِ عالم ﷺ کا وجودِ قدسی خود اس قدر زبردست معجزہ تھا کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور معجزہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی: ؎ روئے و آوازِ پیغمبر معجز است!

ان کی زندگی کی ہر صنف، ان کی حیات کا ہر شعبہ اپنی اپنی حدود میں اس قدر کامل اور مکمل ہے کہ انسان کو بے اختیار یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

www.KitaboSunnat.com

دارالافتاء
شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ)

- سرخ یا ناسی کلر کا خضاب لگانا
- گروی مکان سے استفادہ؟
- قرآن پڑھ کر دَم کرنا اور دم کی شرائط
- قرآنی تعویذ کی شرعی حیثیت
- مدرسہ کی عمارت میں جمعہ وعیدین پڑھنے کا حکم
- مسجد ڈھا کر دوسری جگہ تعمیر کرنا
- غصب شدہ زمین میں نماز اور بے وضو امام کے پیچھے نماز؟

● **سوال:** میرا تعلق ازبکستان سے ہے۔ افغانستان کے راستے پاکستان آتے ہوئے میرا شوہر افغانستان میں پکڑا گیا تھا۔ اب چار سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے اور اس کی کوئی خبر نہیں کہ زندہ ہے یا فوت ہو چکا ہے۔ افغانستان کے احوال آپ سے مخفی نہیں۔ میرے تین بچے ہیں جن کی کفالت میرے لئے انتہائی دشوار ہے۔ کیا میرے لئے شادی کرنا جائز ہے، تاکہ مجھے اور میرے بچوں کو سہارا مل سکے؟ (خاتون بانو)

جواب: مذکورہ بالا صورت میں عورت اپنے حالات کے پیش نظر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ دوسرے نکاح کے بعد اگر پہلا شوہر آجائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ ہاں البتہ اگر وہ اپنے حق سے دست بردار ہو جائے تو دوسرے کی زوجیت میں باقی رہے گی۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: التلخیص الحبیر)

● **سوال:** کیا بالوں پر سرخ یا ناسی کلر (Brown Colour) کا خضاب لگانا جائز ہے؟ نیز کالا خضاب کن حالتوں میں لگایا جاسکتا ہے؟ (محمد ایوب پٹھان، بدین)

جواب: احادیث میں صرف کالے خضاب کی ممانعت ہے۔ اس کے علاوہ جملہ رنگ استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ تاہم بعض علما نے جہاد کی حالت میں سیاہ خضاب کی اجازت دی ہے اور بعض نے مطلقاً رخصت بھی دی ہے۔ سلف میں سے سعد بن ابی وقاصؓ، عقبہ بن عامرؓ، حسنؒ، حسینؒ، جریرؒ وغیرہ رخصت کے قائل ہیں۔ ابن ابی عاصم نے کتاب الخضاب میں اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔

لیکن راجح بات یہ ہے کہ خالص سیاہ خضاب مطلقاً ناجائز ہے۔ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے جنبوہ السواد (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، فتح الباری: ۳۵۴/۱۰، ۳۵۵)

سوال: ایک شخص فوت ہوگیا، اس وقت اس کے ورثا میں بیوہ، دو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں، بعد میں بیوہ، ایک بیٹا اور ایک بیٹی بھی فوت ہوگئے، اب ورثا میں ایک بیٹا اور تین بیٹیاں موجود ہیں۔ انکے درمیان تقسیم میراث کی صورت کیا ہوگی؟ یہاں یہ واضح رہے کہ بعد میں بیٹوں نے اس جائیداد میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز مرحوم کی وصیت تھی کہ بیٹوں کو زیادہ حصہ دیا جائے۔

جواب: مذکورہ صورت علم وراثت کی اصطلاح میں 'مسائل مناسخہ میں اختصار قبل العمل' کے نام سے موسوم ہے۔ اس مسئلے میں متوفیان کو کالعدم قرار دے کر وراثت صرف زندہ افراد میں تقسیم ہوگی۔ جس کی صورت یوں ہے کہ کل ترکہ پانچ حصوں میں تقسیم ہوگا۔ دو حصے ایک بیٹے کے لئے اور تین حصے ایک ایک کے حساب سے تین بیٹیوں کے لئے ہیں۔

بیٹوں نے جائیداد میں جو بعد میں اضافہ کیا ہے، اگر تو وہ فی الواقع ان کی ذاتی گرہ سے ہے تو وہ مرحوم کے ترکہ میں شامل نہیں ہوگا۔ اور اس صورت میں فوت شدہ بھائی کا ترکہ بھی ایک بھائی اور تین بہنوں کی طرف دو اور ایک کی نسبت سے منتقل ہوگا۔ بصورتِ دیگر وہ اضافہ باپ کے ترکہ میں شمار ہوگا، البتہ اس صورت میں بیٹوں کو ان کی محنت کا معقول معاوضہ ملنا چاہئے۔ نیز مرحوم کا یہ وصیت کرنا کہ بیٹوں کو شرعی حد بندی سے زیادہ حصہ دیا جائے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ شریعت کے مطابق اس کی اصلاح ضروری ہے، تاکہ موصوف اُخروی بوجھ سے بچ سکے۔

سوال: مکان گروی لینے یا دینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: بوقتِ ضرورت گروی مکان لینا یا دینا جائز ہے، البتہ گروی شدہ چیز کی آمدنی، اُجرت، محصول وغیرہ سب راہن (گروی رکھوانے والے) کی ملکیت ہے اور وہی ان تمام چیزوں کا انتظام کرے گا جن پر گروی چیز کی بقا ہے۔ مثلاً پانی پلانا وغیرہ، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''مرہون چیز راہن کی ملکیت ہے۔ وہی اس کے نفع کا مالک ہے اور اسی پر اس کا تاوان ہے۔'' (ابن ماجہ بسند حسن)

حاصل کلام یہ کہ جس کے پاس کوئی چیز گروی رکھی گئی ہے، وہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا، کیونکہ وہ راہن کی ملکیت ہے، البتہ سواری پر سوار ہوسکتا ہے، اس کا دودھ پی سکتا ہے، مگر خرچ

کے حساب سے۔ اس کی اجازت صحیح بخاری (حدیث نمبر ۲۵۱۲) میں موجود ہے۔ دیگر چیزوں کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، جیسا کہ فتح الباری میں ائمہ کی تصریح موجود ہے۔

❁ سوال: کیا قرآن پاک پڑھ کر پانی پر دَم کرنا جائز ہے؟

جواب: بظاہر ممانعت کی کوئی دلیل نہیں، تاہم دم کیلئے بالا جماع تین شرائط ہیں: ① اللہ کی کلام یا اسکے اسماء وصفات کے ساتھ ہو۔ ② عربی زبان میں یا معروف المعنی الفاظ کے ساتھ ہو ③ اس بات کا اعتقاد رکھا جائے کہ دم بذاتہ مؤثر نہیں، بلکہ اس میں تاثیر اللہ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/۱۹۵) قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ

''دم میں نفث (بقولِ نووی: تھوک کے بغیر پھونک، بحوالہ تحفۃ الاحوذی: ۳/۲۴۹) بغیر تھوک کے ہلکی سی پھونک مارنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی رطوبت یا اس کی ہوا سے تبرک حاصل کرنا مقصود ہے۔'' (فتح الباری: ۱۰/۱۹۷)

اور جن احادیث میں پانی میں پھونک مارنے سے منع کیا گیا ہے، ان کا تعلق پینے کے وقت سے ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے: لا يتنفس أحدكم في الإناء إذا كان يشرب منه یعنی ''آدمی جب پانی پیئے تو پینے کے برتن میں سانس نہ لے۔'' چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں:

''والتنفس في الإناء مختص بحالة الشرب'' (۱/۲۵۹)

یعنی ''برتن میں سانس لینا پینے کی حالت کے ساتھ مخصوص ہے۔''

اور صحیح بخاری میں حدیث ہے:

إذا شرب أحدكم فلا يتنفس في الإناء

''جب تم میں سے کوئی پانے پیئے تو برتن میں پھونک نہ مارے۔''

❁ سوال: بعض صحابہ سے قرآنی تعویذ کا جواز نقل کیا گیا ہے اور ایک صحابی کے بارے میں ہے کہ وہ نابالغ بچوں کے گلے میں دعا لکھ کر لٹکا دیا کرتے تھے۔ صحابہؓ کے یہ آثار صحیح ہیں یا ضعیف اور نا قابل عمل؟

جواب: گلے میں تعویذ لٹکانے والا اثر حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی طرف منسوب ہے جو کہ صحیح ثابت نہیں ہے، کیونکہ اس میں محمد بن اسحاق مدلس راوی ہے، اس نے عنعنہ سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

وقد ورد ما يدل على عدم جواز تعليق التمائم فلا يقوم بقول عبد الله بن عمرو حجة ''ایسی احادیث وارد ہیں جو تعویذات کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں لہٰذا عبداللہ بن عمرو کا قول قابل حجت نہیں ہے۔''

اور امام ترمذیؒ کے قول حسن (غریب) میں بھی ضعفِ اسناد کی طرف اشارہ ہے۔

اس مسئلہ میں اگرچہ سلف کا اختلاف ہے، تاہم ہمارے نزدیک راجح مسلک عدمِ جواز کا ہے، کیونکہ نبی ﷺ سے بطورِ نص تعویذ لٹکانا ثابت نہیں۔

❁ سوال: ایسی جگہ جو مدرسہ کے لئے وقف ہو، کیا اس کی عمارت میں بچوں کی تعلیم کے علاوہ نمازِ پنجگانہ خصوصاً نماز جمعہ وعیدین کا ادا کرنا جائز ہے؟ جبکہ اس میں مسجد کی خاص علامات مثلاً مینار، منبر اور محراب وغیرہ بھی نہیں ہیں۔ (محمد فیاض کھوکھر، سیالکوٹ)

جواب: اقامتِ جمعہ کے لئے مسجد کا وجود شرط نہیں۔ چنانچہ فقیہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

ولا يشترط لصحة الجمعة إقامتها في البنيان ويجوز إقامتها فيما قاربه من الصحراء وبها قال أبو حنيفة یعنی ''اقامتِ جمعہ کے لئے عمارت کا ہونا شرط نہیں۔ اس کے قریب میدان میں بھی جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔''

اس کی دلیل یہ ہے کہ مصعب بن عمیرؓ نے انصار کو جمعہ نقیع خضمات میں واقع ایک وادی هزم النبیت میں پڑھایا تھا۔ اور اسلئے بھی کہ عید پڑھنے کا مقام جنگل ہے۔ جمعہ بھی چونکہ ایک طرح کی عید ہے، لہٰذا اسے بھی جنگل میں ادا کیا جاسکتا ہے۔ (تفصیل کیلئے: المغنی ۳/۲۰۹)

جب جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد کا وجود شرط نہیں تو کسی بھی دوسرے مقام پر جمعہ پڑھا جاسکتا ہے، خواہ وہ مدرسہ کی عمارت ہو یا کوئی دوسری جگہ۔ اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کا قول: جمعوا حيثما كنتم ''جہاں کہیں بھی تم ہو جمعہ پڑھ لو'' بھی اسی بات کا مؤید ہے۔

اور عید اصلاً باہر پڑھنی چاہئے بامرِ مجبوری یہاں پڑھنے کا بھی جواز ہے اور مینار ومحراب کی قیود بلا فائدہ ہیں، تاہم منبر کا وجود جمعہ میں حتی المقدور سنت ہے، جبکہ عید کا خطبہ بلا منبر ہونا چاہئے۔

❁ سوال: ایک خوبصورت مسجد جو سوا سو سال پرانی ہے، رمضان المبارک میں زائد نمازیوں اور مُعتکفین حضرات کی وجہ سے تنگ پڑ جاتی ہے۔ کیا شرعی لحاظ سے یہ جائز ہوگا کہ اِسے گرا کر یا اِسی حالت میں لڑکیوں کے مدرسے میں تبدیل کر دیا جائے اور کسی دوسری جگہ کشادہ اور بڑی مسجد تعمیر کر دی جائے۔ نیز واضح رہے کہ ساتھ ہی مسجد کا ایک مکان بھی موجود ہے جسے

گرا کر مسجد میں توسیع بھی کی جاسکتی ہے۔

جواب: صورتِ سوال سے ظاہر ہے کہ مسجد میں توسیع کی گنجائش موجود ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اسی جگہ توسیع کرلی جائے، البتہ کسی معقول عارضہ کی بنا پر اس کو تبدیل کرنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ کشف القناع عن متن الاقناع میں ہے کہ امام احمدؒ نے تبدیلی وقف پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کوفہ میں جامع مسجد کا کھجور کے تاجروں سے (کسی دوسری جگہ کے عوض) تبادلہ کرلیا یعنی وہ اسے بدل کر کوفہ میں دوسری جگہ لے گئے۔ اسی طرح فتاویٰ ابن تیمیہؒ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے شارعِ عام تنگ ہونے کی وجہ سے مسجد کا کچھ حصہ اس میں ملا دیا تھا۔ (۲۸۸/۳) حضرات صحابہ کرامؓ کے یہ تصرفات اس بات کی دلیل ہیں کہ مسجد کو کسی مجبوری کی بنا پر بدلنا جائز ہے۔

❁ سوال: کیا غصب شدہ زمین پر نماز جائز ہے؟ (ابوحذیفہ، چونیاں)

جواب: اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ حنابلہ کی اس کے بارے میں دو روایتیں ہیں، ایک جواز کی اور دوسری عدمِ جواز کی۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ، مالکؒ اور شافعیؒ بھی ایک قول کے مطابق جواز کے قائل ہیں۔ صاحبِ المهذب فرماتے ہیں:

''غصب شدہ زمین میں نماز ناجائز ہے، کیونکہ یہاں اگر سکونت حرام ہے تو اس مقام پر نماز پڑھنا بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔ اگر کوئی یہاں نماز پڑھ لے تو نماز درست ہوگی، کیونکہ منع کا تعلق نماز سے مخصوص نہیں جو اس کی صحت سے مانع ہو۔''

امام نوویؒ رقم طراز ہیں:

''غصب شدہ زمین میں نماز بالاجماع حرام ہے اور ہمارے نزدیک اور جمہور فقہا اور اصحابِ اُصول کے ہاں نماز پڑھ لی جائے تو درست ہوجائے گی۔''

میرا رجحان بھی اسی قول کی طرف ہے کیونکہ نہی کا تعلق نفس نماز سے نہیں جو صحتِ نماز سے مانع ہو۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: المجموع شرح المهذب ۱۶۵/۳ اور المغنی: ۴۷۶/۲، ۴۷۷

❁ سوال: حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ نے لکھا ہے کہ ''امام نے بے وضو نماز پڑھائی تو مقتدی کو بھی امام کی طرح نئے سرے سے نماز پڑھنا ہوگی۔'' (فتاویٰ اہلحدیث)

ابن بازؒ وغیرہ ایسے موقعے پر مقتدی کی نماز کو صحیح کہتے ہیں۔ درست مسئلہ کیا ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں شیخ ابن بازؒ کا موقف راجح ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حدیث ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"یصلون لکم فان أصابوا فلکم وإن أخطأوا فلکم وعلیهم" (رقم ۶۹۴)

''وہ تمہیں نماز پڑھائیں گے۔ اگر وہ درستگی کو پہنچے تو تمہاری نماز کا ثواب تمہارے لئے ہے (اور ائمہ کا ثواب ان کے لئے ہے) اور اگر انہوں نے غلطی کی تو تمہاری نماز کا ثواب تمہارے لئے ہے اور ان کی غلطی کا مداوا ان کے ذمہ ہے۔''

امام بخاری نے اس پر یہ عنوان قائم کیا ہے: باب إذا لم یتم الإمام وأتم من خلفه

ابن منذرؒ فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں اس آدمی کی تردید ہے جو یہ کہتا ہے کہ امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوجاتی ہے۔''

اور 'شرح السنۃ' میں امام بغوی فرماتے ہیں:

''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی امام بغیر وضو کے لوگوں کو نماز پڑھا دے تو مقتدیوں کی نماز درست ہے اور امام کو نماز لوٹانی پڑے گی۔ (فتح الباری: ۱۸۸/۲)

اور موطأ میں باب إعادة الجنب الصلاة میں بسندِ صحیح حضرت عمرؓ کا عمل بھی اسی طرح بیان ہوا ہے۔ اور سنن بیہقی: (۴۰۰/۲) میں حضرت عمرؓ اور عثمانؓ اور مصنف عبدالرزاق (۳۶۵۰) میں ابن عمرؓ کا عمل بھی یہی بیان ہوا ہے۔ محدث روپڑیؒ نے جو موقف اختیار کیا ہے، وہ حنفیہ کے مسلک کے مطابق ہے۔ مصنف عبدالرزاق (۳۶۶۱)، دارقطنی (۱۳۹/۱) میں حضرت علیؓ سے اس طرح مروی ہے، لیکن اس اثر میں راوی عمرو بن خالد واسطی متروک الحدیث ہے۔ امام احمد نے اس پر جھوٹا ہونے کا الزام لگایا ہے اور حبیب بن ابی ثابت مدلس ہے۔ اس نے اس روایت کو عنعنہ سے بیان کیا ہے۔

نیز واضح ہو کہ موصوفین مرحومین دونوں میرے عظیم اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بالخصوص محدث روپڑیؒ سے ابتدائی مراحل سے لے کر سالہا سال تک استفادہ کا موقعہ میسر رہا ہے۔

❁ **سوال:** عمر میں چھوٹے رشتے داروں مثلاً خالہ زاد، چچا زاد، سالیوں وغیرہ کو سر پر پیار دینا شرعی لحاظ سے کیسا ہے؟ (عبدالستار بھٹی، گوجرانوالہ) **جواب:** بڑے اور چھوٹے کے درمیان اظہارِ اُلفت اور شفقت ومحبت کی شریعت میں ترغیب موجود ہے، جس کے اظہار کے لئے کوئی بھی صورت ہوسکتی ہے۔ تاہم غیر محرم کے سر پر ہاتھ پھیرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔

اَحکام وشرائع

پروفیسر نجیب الرحمٰن کیلانی☆

نمازِ عشاء کا مستحب وقت؟

چند روز قبل ایک جامع مسجد میں قاری صاحب مغرب کے بعد درسِ حدیث دے رہے تھے کہ انہوں نے بلوغ المرام سے مندرجہ ذیل حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

عن أبي برزة الأسلمي..... وكان يستحب أن يوخر من العشاء، وكان يكره النوم قبلها والحديث بعدها (متفق علیہ)

یعنی ''نبی اکرم ﷺ عشاء کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا پسند کرتے تھے، (کبھی آدھی رات تک کبھی ایک تہائی رات تک اس کو مؤخر کرتے تھے) اور عشاء سے پہلے سونے اور بعد از عشاء (غیر ضروری) باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔''

حاضرین میں سے ایک نمازی کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ہم تو نماز سات بجے ادا کرتے ہیں جبکہ رات گیارہ بجے کے قریب سوتے ہیں اور پھر جا کر باتیں وغیرہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ کیوں نہ ہم نماز تاخیر سے ادا کریں اور سیدھے جا کر سو جایا کریں۔ اس طرح بیک وقت دو سنتوں پر عمل ہو جائے گا۔

اس نمازی نے دوسرے سے بات کی، اس نے مسجد کے مہتمم سے بات کی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ فوری طور پر دو ڈھائی گھنٹے لیٹ کرنا مناسب نہیں۔ ہاں ہم چار پانچ دنوں کی تاخیر سے پندرہ پندرہ منٹ کا وقفہ کرتے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ کی تاخیر کرلیں گے۔ مگر یہ بالاقساط تاخیر شاید اس نمازی صاحب کو مناسب معلوم نہ ہوئی اور دوسرے دن چند نمازی اصل نماز باجماعت میں بالارادہ شامل نہ ہوئے اور رات ساڑھے نو بجے الگ نماز باجماعت ادا کی۔ اب اس فتنے پر کس طرح قابو پایا گیا، یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ نمازِ عشاء کا مستحب و افضل وقت کون سا ہے یا کس وقت یہ نماز پڑھنا مناسب ہے؟

دین اسلام ہمیں اجتماعیت کا درس دیتا ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج سب ارکان اسلام مسلمانوں کو اتحاد، اتفاق اور اجتماعیت کی تعلیم دیتے ہیں۔ سب کا ایک ہی وقت مل کر نماز باجماعت پڑھنا، سب کا ایک ہی وقت روزہ رکھنا، حاجیوں کا ایک ہی وقت میں حج کے مناسک ادا کرنا اور ایک ہی

☆ لیکچرر گورنمنٹ شالیمار کالج، لاہور

www.KitaboSunnat.com

جیسا لباس پہننا، حتیٰ کہ عید کے اجتماع میں ایسی عورتوں کو بھی آنے کی ترغیب دینا، جنہیں اُن دنوں نماز معاف ہے کہ وہ عورتیں بھی آئیں اور مسلمانوں کے اجتماع میں شریک ہوں، دعا میں شامل ہوں، البتہ نماز سے الگ رہیں۔ یہ سب احکام اجتماعیت ہی کا تو درس دیتے ہیں۔ جبکہ مسجد محلے کی سطح پر ان مسلمانوں کے اجتماع کی جگہ ہے۔ ہر روز پانچ مرتبہ مسجد میں آئیں۔ نماز باجماعت ادا کریں۔ آپس میں ایک دوسرے سے تعارف، ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت، دکھ سکھ میں شرکت وغیرہ مسجد کے بڑے بڑے فائدوں میں سے ایک فائدہ ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ کو اول وقت میں بھی پانچوں نمازیں پڑھائیں اور آخر وقت میں بھی اور ساتھ ہی یہ کہا۔ یہ وقت پہلے انبیاء علیہم السلام کی نماز کا ہے اور آپؐ کی نماز ان وقتوں کے درمیان ہے۔ اس حدیث کے مطابق عشاء کی نماز جبرئیل علیہ السلام نے اول وقت اس وقت پڑھائی جب آسمان سے سرخی ختم ہوگئی اور آخر وقت تہائی رات گزرنے پر پڑھائی اب ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ عشاء کی نماز کے بارے میں کون سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

اوقاتِ نماز اور صلوٰۃ عشاء

سب سے پہلی تو یہ بات ہے کہ نمازوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کو اوّل وقت کی نماز ہی یقیناً محبوب تھی۔ ابوداؤد اور حاکم میں صحیح روایت ہے: حضرت اُمّ فروۃ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتی ہیں: "أفضل الأعمال الصلاة في أوّل وقتها"

''بہترین عمل نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنا ہے۔''

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عشاء کی نماز کا معاملہ قدرے مختلف ہے۔ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنا رسول اکرم ﷺ کو محبوب تھا۔ جیسا کہ درج ذیل احادیث سے پتہ چلتا ہے

① عن عائشة رضی الله عنها قالت: اعتم النبی ﷺ ذات لیلة حتیٰ ذهب عامّة اللیل وحتی نام أهل المسجد ثم خرج فصلی وقال: إنه لوقتها، لولا أن أشق علی أمتی (مسلم: کتاب المساجد، رقم ۲۱۹)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات نبی اکرم ﷺ نے عشاء کی نماز میں اتنی تاخیر کی کہ رات کا بیشتر حصہ گزر گیا اور مسجد میں موجود لوگ سونے لگے۔ پھر آپ ﷺ نکلے نماز پڑھائی اور فرمایا اگر مجھے اُمت کی تکلیف کا احساس نہ ہوتا تو نمازِ عشاء کا یہی وقت مقرر کرتا''

② صحیح بخاری میں ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ہے۔ فرماتے ہیں:

www.KitaboSunnat.com

"إن رسول الله ﷺ شغل عنها ليلة فأخّرها حتى رقدنا فی المسجد ثم استيقظنا ثم رقدنا ثم استيقظنا ثم خرج علينا النبیﷺ ثم قال ليس أحد من أهل الأرض ينتظر الصلوة غيركم وكان ابن عمر لا يبالی أقدمها أو أخرها إذا كان لا يخشیٰ أن يغلبه النوم عن وقتها وقد كان يرقد قبلها"

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کو ایک رات کچھ مصروفیت تھی۔ آپؐ نے عشاء کی نماز میں تاخیر کی یہاں تک کہ ہم لوگ مسجد میں سوگئے۔ پھر آنکھ کھلی۔ پھر سوگئے، پھر جاگے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ حجرے سے برآمد ہوئے اور فرمایا: اس وقت تمہارے سوا دنیا میں کوئی نماز کا منتظر نہیں ہے۔

اور عبداللہ بن عمر (راوئ حدیث) کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے کہ عشاء کی نماز جلدی پڑھیں یا دیر سے۔ جب ان کو یہ ڈر نہ ہوتا کہ سوجانے سے وقت جاتا رہے گا اور کبھی وہ عشاء کی نماز پڑھنے سے پہلے بھی سوجاتے تھے۔''

③ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ

''ان دنوں مدینہ کے سوا ساری دنیا میں اور کہیں نماز نہ ہوتی تھی۔ اور اگر انسان کو تھکاوٹ کا احساس ہورہا ہو تو عشاء کی نماز سے قبل سوجانے کی بھی رخصت ہے۔ بشرطیکہ نماز باجماعت فوت نہ ہوجائے۔'' (بخاری: رقم ۸۶۴)

ان احادیث سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنا مستحب وافضل قرار دے رہے ہیں۔

اوّل وقت پر نمازِ عشاء

مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھا جائے کہ یہ انتہائی دیر سے پڑھنا صرف ایک دفعہ کا واقعہ ہے۔ یہ آپؐ کا معمول نہیں تھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین تو نبی اکرم ﷺ کے اشارہ وحکم کے منتظر رہتے تھے اور اپنے آرام یا مرضی کا کوئی خیال نہیں رکھتے تھے، البتہ نبی اکرم ﷺ نے ان کی آسانی اور آرام کو ضرور ملحوظ رکھا۔ جب دوسری احادیث کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ عشاء کی نماز لوگوں کو ان کے سہولت کے وقت پڑھاتے۔ جب بھی ان کا اکٹھا ہوجانا ممکن تھا۔ عشاء کی نماز میں اتنی گنجائش موجود ہے کہ اس میں لوگوں کی سہولت کا لحاظ رکھتے ہوئے وقت کا تعین کیا جائے۔ درج ذیل احادیث اس بات کا واضح ثبوت ہیں.....

www.KitaboSunnat.com

① حضرت جابر راوی ہیں:

والعشاء أحيانا يقدمها وأحيانا يؤخرها إذا رآهم اجتمعوا عجل وإذا رآهم أبطؤوا أخّر (مسلم: کتاب المساجد، رقم ۲۳۳)

''نبی اکرم ﷺ عشاء کی نماز کو کبھی جلدی پڑھ لیتے اور کبھی تاخیر سے ادا فرماتے۔ جب دیکھتے کہ لوگ جمع ہوگئے ہیں، تو جلدی پڑھ لیتے اور جب دیکھتے کہ لوگوں نے دیر کردی ہے تو تاخیر سے ادا فرماتے۔''

② ایک متفق علیہ حدیث میں ہے کہ

عن عائشة قالت: كانوا يصلون العتمة فيما بين أن يغيب الشفق إلىٰ ثلث الليل الأول (بخاری: رقم ۵۶۹) ''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عشاء کی نماز سرخی غائب ہونے سے لے کر پہلی رات کی تہائی کے درمیان تک پڑھا کرتے تھے۔''

اس حدیث میں عشاء کی نماز کا اوّل وقت اور آخری وقت بتا دیا گیا۔ جبکہ دوسری احادیث میں آدھی رات تک کی بھی روایات ملتی ہیں۔ مگر آپؐ کی سنت اور معمول یہی تھا کہ آپؐ لوگوں کی سہولت کے تحت اس کو مقدم و مؤخر کرتے تھے۔

③ ابوداود، دارمی، ترمذی اور نسائی میں مروی ایک حدیث میں ہے کہ

عن النعمان بن بشير قال أنا أعلم بوقت هذه الصلاة، صلاة العشاء الآخرة كان رسول الله ﷺ يصليها لسقوط القمر الثالثة

''نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ میں نمازِ عشاء کا وقت تم سب سے بہتر جانتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ چاند کی تیسری رات کو غروبِ قمر والے وقت پڑھا کرتے تھے۔''

اور یہ سب کو معلوم ہے کہ تیسری رات کا چاند سورج غروب ہونے کے دو گھنٹے بعد عام طور پر غروب ہوتا ہے، یہی آنحضرت ﷺ کا معمول تھا۔ کبھی اس میں تاخیر ہوجاتی اور کبھی اس سے پہلے بھی ادا فرما لیتے تھے۔

خلاصۂ بحث: آج کل تمام مساجد میں بھی یہی وقت معروف ہے کہ غروبِ آفتاب کے تقریباً دو گھنٹے بعد یہ نماز ادا کی جاتی ہے۔ ہاں اگر کسی ادارے یا مدرسے کی خصوصی مسجد ہے جس میں باہر سے نمازی نہیں آتے تو وہ اپنی سہولت کے مطابق جب ملازمین کو چھٹی ہو یا طالب علم اپنے سبق سے فارغ ہوں، دس گیارہ بجے بھی نماز کا وقت مقرر کرسکتے ہیں۔ اگر عام جامع مسجد میں رات دس گیارہ بجے کا وقت مقرر کردیا جائے تو اکثر لوگ نماز کے انتظار میں ہی سو جائیں، کئی لوگ اپنی

www.KitaboSunnat.com

الگ نماز پڑھ کر سو جائیں گے اور جنہیں نماز باجماعت کا خاص خیال ہو، وہ دور کی مسجد میں جا کر نماز ادا کریں گے جس میں انہیں خاصی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جبکہ معروف وقت سے ہٹ کر افضل وقت کو حاصل کرنے کی کوشش میں مسجد میں نمازیوں کی تعداد آدھی بھی نہ رہ جائے گی جو کہ تاخیر سے ادا کرنے کا سب سے بڑا نقصان ہوگا۔ ہاں اگر کسی کی نماز کسی مجبوری یا غفلت کی وجہ سے رہ جائے تو وہ اس کو آدھی رات تک مؤخر کر کے پڑھ لے تو یہ اس کیلئے زیادہ بہتر ہے۔

اس کی مثال تو ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے سفر میں نماز قصر کرنے کی اجازت دی ہے۔ اب جو لوگ نماز قصر نہیں کرتے۔ یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی اس مہربانی اور فضل و کرم کو ٹھکراتے ہیں جو کہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ رات گئے یہ نماز پڑھائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ لو لا أن أشق على أمتي یعنی اگر مجھے اُمت کی مشقت کا خیال نہ ہوتا تو یہ ہی اس کا مناسب وقت ہے۔ اس وقت پر نماز عشاء پڑھنا آپ کا معمول نہیں تھا۔ معمول وہی تھا یعنی تیسری رات کے چاند کے غروب ہونے کے وقت۔ نبی اکرم ﷺ تو ہماری مشقت کا خیال رکھتے ہوئے اس وقت کو ہم سے ٹال رہے ہیں۔ اور ہم کہیں کہ ہم اسی وقت ادا کریں گے، چاہے ہم سب مصیبت میں ہی پڑے رہیں؛ یہ بات نبی اکرم ﷺ کے فضل و کرم اور مہربانی کو ٹھکرانے اور احسان ناشناسی کے مترادف ہے!!

اللہ تعالیٰ ہمیں منکرات سے منع فرماتے ہیں اور معروف کا حکم دیتے ہیں اور غروبِ آفتاب کے دو گھنٹے بعد عشاء کی نماز ادا کرنا ہمارے ہاں معروف ہے۔ اگر اس معروف طریقہ میں کوئی مخصوص مسجد والے تبدیلی کرنا چاہیں تو عام حالات میں مسجد کی اجتماعیت کو نقصان پہنچنا لازمی امر ہے۔ جبکہ نئے نئے فرقے بھی اسی طرح معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ البتہ اگر کسی خاص مسجد و مدرسہ میں تاخیر سے نماز ادا کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہو یا بستیوں میں موجود مساجد میں نماز پڑھنے والے عوام اور نماز پڑھانے والے علماے کرام اس کو تاخیر سے ادا کرنے پر اتفاق کر لیں تو پھر اس میں ہر طرح کی خیر و برکت شامل حال ہوگی۔ بہرحال مسلمانوں کے کاموں میں اجتماعیت کا رنگ غالب رہنا چاہئے بالخصوص ایسی صورت میں جہاں سنتِ نبوی میں اسکی رعایت پائی جاتی ہو اور موجودہ فرقہ وارانہ رجحانات کے پس منظر میں ہمیں اتفاق کے مظاہر کو ہی نمایاں کرنا چاہئے۔

www.KitaboSunnat.com

اَحکام ومسائل

حافظ مبشر حسین لاہوری

محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء

محرم الحرام ہجری تقویم کا پہلا مہینہ ہے جس کی بنیاد نبی اکرم ﷺ کے واقعہ ہجرت پر ہے۔ گویا مسلمانوں کے نئے سال کی ابتدا محرم کے ساتھ ہوتی ہے۔ ماہِ محرم کے جو فضائل ومناقب صحیح احادیث سے ثابت ہیں، ان کی تفصیل آئندہ سطور میں رقم کی جائے گی اور اس کے ساتھ ان بدعات وخرافات سے بھی پردہ اُٹھایا جائے گا جنہیں اسلام کا لبادہ اوڑھا کر دین حق کا حصہ بنانے کی مذموم کوششیں کی گئی ہیں۔

❶ محرم، حرمت وتعظیم والا مہینہ ہے

قرآن مجید میں ہے کہ

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلاَ تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾(التوبہ:۳۶)

''اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں مہینوں کی گنتی بارہ ہے، اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو اس نے پیدا کیا ہے۔ ان میں سے چار مہینے ادب و احترام کے لائق ہیں، یہی درست دین ہے لہٰذا ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔''

یعنی ابتدائے آفرینش ہی سے اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے مقرر فرما رکھے ہیں۔ جن میں چار کو خصوصی ادب واحترام اور عزت وتکریم سے نوازا گیا۔ یہ چار مہینے کون سے ہیں، ان کی تفصیل صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''زمانہ اپنی اسی حالت پر واپس لوٹ آیا ہے کہ جس پر وہ اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی تھی۔ سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں چار حرمت والے ہیں، تین تو لگاتار ہیں یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا مضر قبیلے کا ماہِ رجب جو

www.KitaboSunnat.com

جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔'' (بخاری: کتاب التفسیر، سورۃ التوبہ؛۴۶۶۲/ مسلم: کتاب القسامہ، باب تغلیظ تحریم الدماء؛۱۶۷۹)

مذکورہ حدیث میں دو باتیں قابل توجہ ہیں: ایک تو یہ کہ محرم بھی حرمت والے مہینوں میں شامل ہے اور دوسری یہ کہ زمانہ اپنی سابقہ حالت و ہیئت پر واپس لوٹ آیا ہے۔ اس کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ دورِ جاہلیت میں بھی لوگ حرمت والے مہینوں کا احترام کرتے اور جنگ و جدل، قتل و غارت گری اور خون ریزی وغیرہ سے اجتناب کرتے تھے۔ البتہ اگر کبھی حرمت والے مہینے میں انہیں جنگ و جدل اور قتل و غارت گری کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ اپنے طور پر مہینوں کی تقدیم و تاخیر کر لیتے۔ اگر بالفرض محرم کا مہینہ ہے تو اسے صفر قرار دے لیتے اور (محرم میں اپنے مقصد پورے کرنے کے بعد) اگلے ماہ یعنی صفر کو محرم قرار دے کر لڑائی جھگڑے موقوف کر دیتے۔ قرآن مجید نے اس عمل کو نسیئ قرار دے کر زیادتِ کفر سے تعبیر فرمایا۔ (التوبہ:۳۷)

جس سال نبی اکرم ﷺ نے حج فرمایا، اس سال ذوالحجہ کا مہینہ قدرتی طور پر اپنی اصلی حالت پر تھا۔ اس لئے آپؐ نے مہینوں کے اَدل بدل کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ زمانہ گھوم گھما کر اپنی اصلی حالت پر واپس لوٹ آیا ہے۔ یعنی اب اس کے بعد مہینوں کی وہی ترتیب جاری رہے گی جسے اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے جاری فرما رکھا ہے۔

دونوں باتوں کا حاصل یہی ہے کہ محرم ادب و احترام والا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ادب و احترام والا بنایا جبکہ اس کے آخری رسولؐ نے اس کی حرمت کو جاری رکھا اور عرب کے جاہل بھی اس کا اس قدر احترام کرتے کہ احترام کے منافی کسی عمل کے جواز کے لئے کم از کم اتنا حیلہ ضرور کر لیتے کہ فرضی طور پر حرمت والے مہینے کو کسی دوسرے غیر حرمت والے مہینے سے بدل لیتے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے یہ بات از خود سمجھ آ جاتی ہے کہ ماہِ محرم کی حرمت و تعظیم کا حضرت حسین کے واقعہ شہادت سے کوئی تعلق نہیں اور وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں جو اس مہینے کی حرمت کی کڑیاں واقعہ کربلا اور شہادتِ حسینؓ سے ملاتے ہیں۔ اس لئے کہ ماہِ محرم کی حرمت تو اس دن سے قائم ہے جس دن سے یہ کائنات بنی ہے۔ جیسا کہ سورۂ توبہ

www.KitaboSunnat.com

کی گذشتہ آیت: ﴿یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالاَرْضَ.....﴾ سے واضح ہے۔

علاوہ ازیں سانحہ کربلا، قطع نظر اس سے کہ اس میں حضرت حسین کی مظلومانہ شہادت ہوئی، کا دین اسلام سے اس معنی میں کوئی تعلق نہیں کہ اس میں دین کی حفاظت کا کوئی مسئلہ درپیش تھا بلکہ اوّل تو دین اسلام حضرت حسین کے واقعہ شہادت سے کئی عشروں پہلے ہی نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں مکمل ہوچکا تھا،جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے: ﴿اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الإِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدۃ:۲)

اور دوم یہ کہ دین کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اُٹھا رکھا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَإِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ﴾ معلوم ہوا کہ یہ تصور جہالت ولاعلمی پر مبنی ہے کہ ماہِ محرم کا ادب واحترام شہادتِ حسین کا مرہونِ منت سمجھا جائے بلکہ شہادتِ حسین سے پہلے اسی ماہ کی یکم تاریخ کو عمر فاروقؓ جیسے خلیفہ راشد کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آچکا تھا۔مگر اس وقت سے آج تک کبھی حضرت عمرؓ کا واقعہ شہادت اس انداز سے پیش نہیں کیا گیا۔

حالانکہ اگر کسی بڑے آدمی کی موت یا شہادت کسی مہینے کے ادب واحترام کی علامت ہوتی تو عمر فاروقؓ جیسے صحابیٔ رسول اپنے علمی، دینی، روحانی اور خلیفہ ثانی ہونے کے حوالے سے اس بات کے حضرت حسین سے بھی زیادہ مستحق ہوتے کہ ان کی شہادت پر وہ سب کچھ کیا جاتا جو حضرت حسین کی شہادت پر کیا جاتا ہے۔مزید برآں حضرت عثمانؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور دیگر اکابر وجلیل القدر صحابہ کرام کی شہادتیں بدرجہ اولیٰ یہ استحقاق رکھتی ہیں مگر اہل سنت ان تمام شہادتوں پر نوحہ وماتم اور مجالس عزا وغیرہ کا اہتمام اس لئے نہیں کرتے کہ اسلام ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا اور جو ایسا کرتا ہے اس کا دین وایمان خطرے میں ہے اور اسلام کا نوحہ وماتم سے کوئی تعلق نہیں۔

محرم کی بے حرمتی

ویسے تو جنگ وجدل، قتل وغارت گری، خونریزی اور فتنہ وفساد کی کسی بھی مہینے، ہفتے اور دن میں اجازت نہیں تاہم حرمت والے مہینوں میں فتنہ وفساد کی ہر ممکنہ شکل سے اجتناب کرنے کا تاکیدی حکم ہے۔لیکن افسوس کہ بہت سے لوگ ماہِ محرم کی حرمت کو اتنا ہی پامال کرتے ہیں جتنا

www.KitaboSunnat.com

کہ اس کا لحاظ رکھنے کی تاکید کی گئی۔

❑ ماہ محرم کی حرمت کی پامالی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ حضرت حسین کے واقعہ شہادت پر نالہ وشیون اور نوحہ و ماتم کیا جاتا ہے۔ اپنے جسم کو از خود سخت تکلیفیں دی جاتی ہیں۔ تیز دھاری آلات سے جسم کو زخمی کیا جاتا ہے۔ شہادتِ حسین کے رنج وغم میں آہ و بکا کا ایسا عجیب وحشیانہ اور خوفناک منظر برپا کیا جاتا ہے کہ الامان والحفیظ! اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ کسی کی وفات یا شہادت پر رنج وغم اور افسوس کا اظہار نہ کیا جائے لیکن یہ اظہار شرعی حدود میں رہتے ہوئے ہونا چاہئے جبکہ نوحہ و ماتم کرنے والے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعا بدعوٰی الجاهلیة

''وہ شخص ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں جس نے رخسار پیٹے، گریبان چاک کئے اور دورِ جاہلیت کے بین کئے۔'' (بخاری: کتاب الجنائز، باب لیس منا من ضرب الخدود؛ ۱۲۹۷)

❑ ماہِ محرم کی حرمت کی پامالی کی ایک صورت یہ ہے کہ

مسلمانوں کے مختلف گروہ آپس میں نہ صرف یہ کہ دست و گریبان ہوتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے ہیں۔ تقریباً ہر سال ماہ محرم میں کسی نہ کسی 'مسجد' یا 'امام بارگاہ' میں معصوم لوگ دہشت گردی کی کارروائی کا شکار ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ کہ اسلام تو عام دنوں میں بھی خونریزی، دہشت گردی اور فتنہ وفساد کی کسی بھی شکل کو پسند نہیں کرتا پھر بھلا ماہِ محرم میں اسے کیسے پسند کرسکتا ہے؟ اس لئے اسلام سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی کسی بھی دہشت گردی کی کاروائی سے کلی اجتناب کیا جائے۔ ویسے بھی یہ بات ذہن نشین رہے کہ اگر کوئی شخص فی الواقع کفر وشرک اور ارتداد کا مرتکب ہو رہا ہو اور واقعی وہ قتل کی سزا کا مستحق ہو چکا ہو تو تب بھی ایسے شخص یا گروہ کو سزائے قتل دینے کی مجاز صرف حکومتِ وقت ہے۔ ہر کہ ومہ کو اسلام یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو نافذ کرنا شروع کردے!

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ بعض دفعہ دہشت گردی کی کارروائیوں میں دشمن عناصر قوتوں کا ہاتھ ہوتا ہے اور وہ مسلمانوں کے مسلکی و گروہی اختلافات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی فرقے کے لوگوں کو تخریب کاری کا نشانہ بنا کر دوسرے فرقے پر اس کا الزام لگا دیتے ہیں۔ پھر دوسرا فرقہ تحقیق کئے بغیر محض جوشِ انتقام میں مخالف فرقے کو نشانہ بناتا ہے اور اس طرح

www.KitaboSunnat.com

تخریب کاری کا ایک غیر متناہی سلسلہ چل نکلتا ہے۔اس لئے امن وامان کے قیام کے لئے ہمیں ان تمام پہلوؤں پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کی نگاہ میں خونِ مسلم کی حرمت انتہائی اہم حیثیت رکھتی ہے۔

❷ محرم کے روزوں کی فضیلت

رمضان المبارک کے روزے سال بھر کے دیگر تمام روزوں سے افضل ہیں۔البتہ رمضان کے ماسوا محرم کے روزوں کی فضیلت سب سے بڑھ کر ہے جیسا کہ درج ذیل صحیح احادیث سے ثابت ہے:

① حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"أفضل الصيام بعد رمضان: شهر الله المحرم وافضل الصلاة بعد الفريضة:صلاة الليل" (مسلم: کتاب الصیام: باب فضل صوم المحرم؛۱۱۶۳)

''رمضان المبارک کے بعد اللہ کے مہینے محرم کے روزے سب روزوں سے افضل ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز آدھی رات (یعنی تہجد) کے وقت پڑھی جانے والی نماز ہے۔''

② صحیح مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ

"أي الصلاة افضل بعد المكتوبة وأي الصيام أفضل بعد شهر رمضان؟"

"فرض نمازوں کے بعد کون سی نماز سب سے افضل ہے اور رمضان المبارک کے بعد کون سے روزے سب سے افضل ہیں؟ تو آپؐ نے وہی جواب دیا جو پہلی حدیث (مسلم؛ ۱۱۶۳) میں مذکور ہے۔''

③ حضرت علی سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے ایک آدمی نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسولؐ! اگر رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں، میں روزے رکھنا چاہوں تو آپؐ کس مہینے کے روزے میرے لئے تجویز فرمائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تو رمضان کے علاوہ کسی مہینے میں روزے رکھنا چاہے تو محرم کے مہینے میں روزے رکھنا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے۔اس میں ایک دن ایسا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی اور ایک قوم کی توبہ (آئندہ بھی) قبول فرمائیں گے۔''

(ترمذی: کتاب الصوم، باب ماجاء فی صوم المحرم؛۷۴۱)

www.KitaboSunnat.com

واضح رہے کہ امام ترمذی نے اس روایت کو 'حسن' قرار دیا ہے جبکہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق نامی راوی کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لہٰذا سنداً یہ روایت ضعیف ہے۔ تاہم محرم کا 'شہراللہ' ہونا اور اس کے روزوں کا رمضان کے سوا دیگر مہینوں کے روزوں سے افضل ہونا دیگر صحیح روایات سے ثابت ہے۔

❸ یومِ عاشوراء کے روزے کی فضیلت

① حضرت ابوقتادہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وصيام يوم عاشوراء احتسب على الله أن يكفر السنة التي قبله"

''مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ یوم عاشورا کا روزہ گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔'' (مسلم: کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ ایام؛ ۱۱۶۲)

واضح رہے کہ 'عاشوراء' عشر سے ہے جس کا معنی ہے دس؛ اور محرم کی دسویں تاریخ کو عاشوراء کہا جاتا ہے۔ البتہ مذکورہ فضیلت دسویں تاریخ کے روزے کی ہے یا نویں کی، اس میں اہل علم کا شروع سے اختلاف چلا آتا ہے۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے.....

② حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ

''قریش کے لوگ دورِ جاہلیت میں عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے اور نبی اکرم ﷺ بھی یہ روزہ رکھتے تھے۔ پھر جب آپؐ مدینہ تشریف لے آئے تو تب بھی عاشوراء کا روزہ رکھتے اور صحابہ کرام کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا آپؐ نے حکم دے رکھا تھا۔ البتہ جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشوراء کی فرضیت ختم ہوگئی۔ لہٰذا اب جو چاہے یہ روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔'' (بخاری: کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشورا؛ ۲۰۰۳/ مسلم: کتاب الصیام، باب صوم یوم عاشوراء؛ ۱۱۲۵)

③ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ دورِ جاہلیت میں لوگ یومِ عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اللہ کے رسولؐ اور مسلمان بھی اس دن روزہ رکھتے۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن عاشوراً يوم من أيام الله فمن شاء صامه ومن شاء تركه"

''عاشورا اللہ تعالیٰ کے دنوں میں سے ایک (معزز) دن ہے لہٰذا جو اس دن روزہ رکھنا چاہے، وہ روزہ رکھے اور جو نہ رکھنا چاہے وہ نہ رکھے۔'' (مسلم: ایضاً؛ ۱۱۲۶)

www.KitaboSunnat.com

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دورِ جاہلیت میں قریش دسویں محرم کا روزہ کیوں رکھتے تھے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ہر سال ماہِ محرم کی اس تاریخ کو بیت اللہ کو غلاف پہنایا کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ ہی سے مروی ایک حدیث میں ہے (بخاری؛۱۵۸۲) لیکن اس پر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قریش غلافِ کعبہ کے لئے یہی دن کیوں خاص کرتے تھے؟ تو اس کا جواب (اور پہلے سوال ہی کا دوسرا جواب) یہ ہوسکتا ہے جو حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ

''دورِ جاہلیت میں قریش نے ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جو ان پر بڑا گراں گزرا تو ان سے کہا گیا کہ تم لوگ عاشورا کا روزہ رکھو یہ تمہارے گناہ کا کفارہ ہوجائے گا۔ پھر اس وقت سے قریش عاشوراء کا روزہ رکھنے لگے۔''

(فتح الباری:۴/۷۷۳، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء)

④ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ

''جب اللہ کے رسولؐ مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے ان سے پوچھا کہ اس دن روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ ایک اچھا (افضل) دن ہے اور یہی وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات بخشی (اور فرعون کو اس کے لشکر سمیت بحیرۂ قلزم میں غرقاب کیا) تو حضرت موسیٰؑ نے (بطورِ شکرانہ) اس دن روزہ رکھا (اور ہم بھی روزہ رکھتے ہیں) تو نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت موسیٰؑ کے (شریکِ مسرت ہونے میں) تم سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ آپؐ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔'' (بخاری: ایضاً؛۲۰۰۴/مسلم؛۱۱۳۰)

⑤ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ

''میں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کے رسولؐ دنوں میں سے دسویں محرم (یوم عاشوراء) کے اور مہینوں میں سے ماہِ رمضان کے روزوں کے سوا کسی اور روزے کو افضل سمجھ کر اس کا اہتمام کرتے ہوں۔'' (بخاری، ایضاً؛۲۰۰۶/مسلم ایضاً؛۱۱۳۲)

⑥ حضرت ابوموسیٰؓ سے مروی ہے کہ ''عاشورا کے روز یہودی عید مناتے مگر آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اس دن روزہ رکھا کرو۔'' (بخاری؛۲۰۰۵/مسلم؛۱۱۳۱)

⑦ ابوموسیٰؓ سے مروی مسلم ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ ''اہل خیبر عاشوراء کے روز، روزہ

www.KitaboSunnat.com

رکھتے اور اس دن عید مناتے اور اپنی عورتوں کو اچھے اچھے لباس اور زیورات پہناتے مگر اللہ کے رسولؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم اس دن روزہ رکھو۔'' (مسلم؛۲۶۶۱)

⑧ حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قبیلہ بنواسلم کے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں جا کر یہ اعلان کرے کہ

''جس نے کچھ پی لیا ہے، وہ اب باقی دن کھانے پینے سے رکا رہے اور جس نے کچھ نہیں کھایا، وہ روزہ رکھے کیونکہ آج عاشوراء کا دن ہے۔'' (بخاری؛۲۰۰۷/مسلم؛۱۱۳۵)

⑨ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے جب دسویں محرم کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ

''اے اللہ کے رسولؐ! اس دن کو یہود ونصاریٰ بڑی تعظیم واہمیت دیتے ہیں۔ (یعنی ان کی مراد یہ تھی کہ آپؐ تو ہمیں یہود ونصاریٰ کی مخالفت کا حکم دیتے ہیں اور یوم عاشوراء کے معاملہ میں تو ان کی موافقت ہورہی ہے۔) تو آپؐ نے فرمایا کہ "فاذا كان العام المقبل إن شاء الله صمنا اليوم التاسع" آئندہ سال اگر اللہ نے چاہا تو ہم نویں تاریخ کو روزہ رکھیں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگلا سال آنے سے پہلے اللہ کے رسولؐ انتقال فرما گئے۔'' (مسلم؛۱۱۳۴)

⑩ مسلم کی ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ "لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع"

''اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو ضرور نو کا روزہ رکھوں گا۔'' (مسلم: ایضاً)

روزہ نو محرم کو یا دس کو؟

عاشورا کے روزے کے بارے میں اہل علم کا شروع سے اختلاف چلا آتا ہے کہ یہ روزہ نو تاریخ کو رکھا جائے یا دس کو؛ یا نو اور دس دونوں کے روزے رکھے جائیں؟ وجہِ اختلاف صحیح مسلم کی مندرجہ بالا حدیث (نمبر۹) ہے جس میں یہود ونصاریٰ کی مخالفت کے پیش نظر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ''آئندہ سال میں زندہ رہا تو نو تاریخ کا روزہ رکھوں گا۔''

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اگرچہ آنحضرتؐ کو عملی طور پر نو کا روزہ رکھنے کا موقع نصیب نہ ہوسکا تاہم آپؐ کا یہ فرمان دسویں محرم کے روزے کے لئے بطورِ ناسخ ہے اور اب صرف اور صرف نو ہی کا روزہ رکھنا چاہئے۔ جبکہ بعض اہل علم اس کے برعکس اس موقف کے حامل ہیں کہ نو

www.KitaboSunnat.com

اور دس دونوں کا روزہ رکھنا چاہئے۔ کیونکہ اصل فضیلت والا دن تو دسویں محرم کا ہے۔ جبکہ یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرتے ہوئے اس کے ساتھ نویں محرم کا روزہ بھی شامل ہوجائے گا اور اس طرح دونوں صورتوں یعنی فضیلتِ عاشوراء اور مخالفتِ یہود ونصاریٰ پر عمل ہوجائے گا۔ لہٰذا نو اور دس دونوں تاریخوں کے روزے از بس فضیلت کے لئے ضروری ہیں۔ ہمارے خیال میں اس مسئلہ میں وسعت پائی جاتی ہے، اس لئے مندرجہ دونوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ ہی اسے خاص کردینا اور اس کے برعکس دوسری کو غلط قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ ان دونوں صورتوں کے الگ الگ مضبوط دلائل موجود ہیں، مثلاً:

❑ صرف نو کا روزہ رکھنے کی دلیل صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے کہ آئندہ سال میں زندہ رہا تو نو کا روزہ رکھوں گا۔ اب حدیث کے ظاہری الفاظ کا یہی تقاضا ہے کہ نو ہی کا روزہ رکھا جائے باقی رہی یہ بات کہ اصل فضیلت تو دسویں محرم کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فضیلت کا معیار شریعت ہے۔ اگر شریعت دس کی بجائے نو کو باعثِ فضیلت قرار دے دے تو پھر نو ہی کی فضیلت سمجھی جائے گی اور یہی وجہ ہے کہ جب حکم بن اَعرج نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یومِ عاشورا کے روزے کا سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ''جب محرم کا چاند دیکھ لو تو دن گننا شروع کردو اور نویں تاریخ کو روزہ کے ساتھ صبح کرو۔'' سائل نے پوچھا: ''کیا اللہ کے رسولؐ اسی دن روزہ رکھتے تھے؟'' تو ابن عباسؓ نے جواب دیا: ہاں!''

(مسلم: کتاب الصیام، باب اَی یوم الصیام فی عاشوراء؛ ۱۱۳۳)

اگرچہ آنحضرتؐ دسویں محرم کو روزہ رکھتے رہے مگر عبداللہ بن عباسؓ نے نویں محرم کے روزے کی نسبت اللہ کے رسولؐ کی طرف اس لئے کردی کہ آنحضرتؐ یہ فرما چکے تھے کہ آئندہ سال میں نو کا روزہ رکھوں گا۔ گویا اب نویں کو ہی کو سنت سمجھا جائے گا، اگرچہ عملی طور پر حضور کو یہ موقع نہیں مل سکا کہ آپؐ نو کا روزہ رکھتے۔

❑ دس کا روزہ رکھنے والوں کی پہلی دلیل تو یہی ہے کہ اصل فضیلت والا دن دس محرم ہے اور اسی دن آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ روزہ رکھتے رہے۔ تاہم اللہ کے رسولؐ کا یہ فرمان کہ آئندہ سال میں نو کا روزہ رکھوں گا، اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ میں دس کا روزہ چھوڑ دوں گا۔ بلکہ آپؐ

www.KitaboSunnat.com

کی مراد یہ تھی کہ دسویں کے ساتھ نویں کا بھی روزہ رکھوں گا تاکہ یہود و نصاریٰ کی بھی مخالفت ہوسکے۔ اور عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ایک روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "صوموا التاسع والعاشر وخالفوا اليهود" (السنن الکبری للبیہقی: ص۲۷۸/ ج۴)

''نو اور دس (دونوں کا) روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔''

شیخ احمد عبدالرحمٰن البناءؒ نے اس موقوف روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(الفتح الربانی: ۱۸۹/۱، مصنف عبدالرزاق: ۷۸۳۹، طحاوی: ۷۸/۲)

اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی یہ حدیث بھی ذکر کی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "لئن بقيت لآمرن بصيام يوم قبله أو يوم بعد يوم عاشوراء"

''اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو میں یہ حکم ضرور دوں گا کہ دسویں محرم سے پہلے یا اس کے بعد (یعنی گیارہویں محرم) کا ایک روزہ (مزید) رکھو۔''

یہ روایت مسند حمیدی (۸۸۵) اور سنن کبریٰ از بیہقی (۲۸۷/۴) میں موجود ہے مگر اس کی سند میں ابن ابی لیلی (جن کا نام محمد بن عبدالرحمٰن ہے) ضعیف راوی ہے۔ جبکہ امام ابن عدی نے یہ روایت 'الکامل' (۹۵۶/۳) میں درج کی ہے اور اس کی سند میں داود بن علی نامی راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ایک تیسری صورت

بعض اہل علم مندرجہ بالا اختلاف سے بچتے ہوئے ایک تیسری صورت یہ پیش کرتے ہیں کہ نو، دس اور گیارہ تینوں تاریخوں کے پے در پے روزے رکھ لئے جائیں۔ بطورِ دلیل عبداللہ بن عباسؓ سے مروی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"صوموا يوم عاشوراء وخالفوا فيه اليهود وصوموا قبله يوما أو بعده يوما" ''یومِ عاشورا کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو۔ (اس مخالفت کا طریقہ یہ ہے کہ) یوم عاشورا (دس محرم) کے ساتھ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھو۔''

یہ روایت مسند احمد (۲۴۱/۱)، ابن خزیمہ (۲۰۹۵)، الکامل (۹۵۶/۳)، السنن الکبریٰ للبیہقی (۲۸۷/۴) وغیرہ میں موجود ہے مگر اس کی سند میں بھی ابن ابی لیلیٰ اور داود بن علی نامی دو راوی ضعیف ہیں لہٰذا یہ قابل حجت نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

واضح رہے کہ مذکورہ روایت میں 'أو' (قبله یوما 'أو' بعده یوما) بمعنی 'یا' ہے۔ جبکہ بعض طرق میں یہاں 'و' بمعنی 'اور' ہے۔ جس کے پیش نظر بعض اہل علم نے تین دن (۹،۱۰،۱۱) کے روزے رکھنے کا رجحان ظاہر کیا ہے۔ (دیکھئے فتح الباری: ۴/۷۷۳) مگر محل استشہاد روایت ہی ضعیف ہے، اس لئے یہ موقف کمزور ہے۔

احتیاط کا تقاضا

مذکورہ اختلافی مسئلہ میں اگر احتیاط کا پہلو مدنظر رکھا جائے تو پھر یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ نو اور دس دونوں کا روزہ رکھا جائے کیونکہ اگر شریعت کی منشا نو اور دس دونوں کا روزہ رکھنے میں ہوئی تو اس پر عمل ہوجائے گا اور اگر نو کا روزہ رکھنے میں ہوئی تو تب بھی نو کا روزہ رکھا جائے گا اور دس کا روزہ اضافی نیکی قرار پائے گا۔ علاوہ ازیں اس طرح یوم عاشوراء کی فضیلت اور یہود ونصاریٰ کی مخالفت دونوں ہی پر عمل بھی ہوجائے گا جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ رقم طراز ہیں کہ

"وقال بعض أهل العلم: قولهؐ فی صحیح مسلم لئن عشت إلی قابل لأصومن التاسع، یحتمل أمرین أحدهما أنه أراد نقل العاشر إلی التاسع والثاني أراد أن یضیفه إلیه فی الصوم فلما توفی ﷺ قبل بیان ذلك كان الاحتیاط صوم الیومین" (فتح الباری: ایضاً)

''بعض اہل علم کے بقول صحیح مسلم میں مروی اس حدیث نبوی کہ ''اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو نو کا ضرور روزہ رکھوں گا'' کے دو مفہوم ہوسکتے ہیں: ایک تو یہ کہ آنحضرتؐ کی مراد یہ تھی کہ یوم عاشوراء کے روزہ کے لئے دس کی بجائے نو کا روزہ مقرر کردیا جائے اور دوسرا یہ کہ آپؐ دس کے ساتھ نو کا روزہ بھی مقرر فرمانا چاہتے تھے۔ (اب اگر آنحضرتؐ اس کے بعد اگلے محرم تک زندہ رہتے تو آپؐ کے عمل سے مذکورہ دونوں صورتوں میں سے ایک صورت ضرور متعین ہوجاتی) مگر آپؐ کسی صورت کو متعین کرنے سے پہلے وفات پاگئے تھے، اس لئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ نو اور دس دونوں کا روزہ رکھا جائے۔''

واضح رہے کہ بغرضِ احتیاط نو اور دس دونوں کا روزہ رکھنے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ صرف نو کا روزہ رکھنے والوں کے خلاف فتویٰ بازی کی جائے بلکہ صرف نو کے روزہ کی گنجائش بھی بہرحال موجود ہے۔ (واللہ اعلم)

www.KitaboSunnat.com

محرم میں روزوں کے منافی اُمور

گذشتہ احادیث سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ ماہِ محرم میں روزے رکھنا مسنون اور افضل ترین عمل ہے حتیٰ کہ رمضان المبارک کے بعد ماہِ محرم کے روزوں کو سب سے افضل قرار دیا گیا ہے اور محرم میں بھی نویں اور دسویں کا روزہ دیگر دنوں کے روزوں سے افضل ہے، لیکن افسوس کہ جیسے ہی محرم کا مہینہ شروع ہوتا ہے، روزوں کے منافی اُمور کا سلسلہ بھی شروع ہوجاتا ہے۔ شہادتِ حسین کی یاد میں دودھ، پانی یا مشروبات کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں، دیگیں پکا کر لوگوں میں کھانا تقسیم کیا جاتا ہے، خوش ذائقہ ماکولات ومشروبات کا اہتمام کرکے فاتحہ خوانی کی محفلیں قائم کی جاتی ہیں اور جوں جوں دسویں محرم کا دن قریب آتا ہے، توں توں ان امور کے دائرہ میں وسعت اور تیزی آتی چلی جاتی ہے۔ گویا محرم اور یوم عاشوراء کے موقع پر آنحضرتؐ جتنا اہتمام روزے کا فرمایا کرتے اور صحابہ کرامؓ کو اس کی ترغیب دلاتے، دورِ حاضر کے مسلمان ماہِ محرم میں اتنا ہی اس کے منافی دعوتوں اور ضیافتوں کا اہتمام کرنے لگے ہیں اور پھر اسے یقینی بنانے اور مسلسل قائم رکھنے کے لئے سرکاری طور پر ملک بھر میں چھٹی بھی منائی جاتی ہے۔

چنانچہ ایک طرف تو بعض لوگ مذکورہ اُمور کی شرعی حیثیت کی چھان پھٹک کئے بغیر ہر اس رسم، رواج اور طریقے کی اتباع شروع کردیتے ہیں جسے کسی قوم، قبیلے یا فرقے میں خاصا مقام اور شہرت حاصل ہو جبکہ دوسری طرف بعض لوگ مذکورہ اُمور کے ثبوت کے لئے شرعی وعقلی دلائل بھی پیش کرنے لگتے ہیں مثلاً یہ کہ

① یزید کے لشکروں نے شہدائے کربلا کا پانی بند کردیا تھا، اس لئے شہدائے کربلا سے اظہارِ محبت کے لئے ضروری ہے کہ ان کے نام پر پانی ہی نہیں بلکہ اچھے اچھے مشروبات کی بھی سبیلیں لگائی جائیں۔

② شہدائے کربلا کی اَرواح کے ایصالِ ثواب کے لئے ماکولات ومشروبات کا اہتمام کرکے فاتحہ خوانی کی محفلیں قائم کرنی چاہئیں۔

③ یہ (من گھڑت) روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

''جس شخص نے عاشوراء کے روز اپنے اہل وعیال (کے رزق کے معاملہ) پر فراخی وکشادگی کی، اللہ تعالیٰ سال بھر اس پر کشادگی فرماتے رہیں گے۔''

اگر قرآن وسنت کی تعلیمات کا غیر جانبدرانہ جائزہ لیا جائے تو مذکورہ اُمور کے جواز کی نہ کوئی گنجائش ملے گی اور نہ ہی کوئی معقول وجہ.....!

① اوّل تو اس لئے کہ ماہِ محرم میں روزے رکھنا مسنون ہے جبکہ ماکولات ومشروبات کے اہتمام سے نہ صرف روزوں کی مسنون حیثیت مجروح ہوتی ہے بلکہ اس کے ساتھ ایک بدعت بھی رواج پاتی ہے۔

② دوم اس لئے کہ شہدائے کربلا یا دیگر فوت شدگان کی ارواح کوثواب پہنچانے کے لئے فاتحہ خوانی کی یہ صورتیں قرآن وسنت اورعمل صحابہ سے ثابت ہی نہیں۔لیکن اس کے باوجود ان صورتوں کو دین کا حصہ اور اجروثواب کا ذریعہ سمجھ کر قائم کرنا بدعت نہیں تو پھر کیا ہے؟

③ رہی یہ بات کہ شہدائے کربلا کا پانی بند کیا گیا تھا تو یہ قصہ ہی جھوٹا اور بے سند ہے جبکہ خود شیعہ ہی کی بعض کتابوں سے اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسینؓ کو جب قافلے کے لئے پانی کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ زمین کھودتے اور فوراً میٹھے پانی کا چشمہ بہہ نکلتا۔(تفصیل کے لئے دیکھئے: جلاء العیون باب ۵ص۴۵۹، ناسخ التواریخ ص۳۲۶ ج۲،تصویر کربلا از سید آلِ محمد،ص۳۱)

اگر بالفرض بندشِ آب کے قصہ کو درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت حسین سے اظہارِ محبت کے لئے ماہ محرم میں اتنے دن پیاسا رہنے کا مظاہرہ کیا جاتا جتنے دن ان سے پانی روکے رکھا گیا تھا!

④ ماکولات ومشروبات کے خصوصی اہتمام کی جو روایت بطورِ دلیل پیش کی جاتی ہے وہ محدثین کے ہاں بالاتفاق جھوٹی (موضوع) روایت ہے۔جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

''عاشورا کے روز فضائل کے سلسلہ میں اہل وعیال پر فراخی وکشادگی اور مصافحہ وخضاب وغسل کی برکت وغیرہ کے متعلق جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اس دن ایک خاص نماز پڑھنی چاہئے ..... یہ سب رسول اللہ ﷺ پر کذب وافترا ہے۔محرم میں

www.KitaboSunnat.com

عاشوراء کے روزے کے سوا کوئی عمل بسند صحیح ثابت نہیں۔'' (منہاج السنۃ: ۱۱/۴)

مذکورہ مسئلہ کی مزید تفصیل اور من گھڑت روایات کی تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو الموضوعات لابن جوزی (۲۰۳/۲)، اللآئی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ (۹۴/۲) الموضوعات الکبریٰ (ص ۳۴۱) اور مجموع الفتاویٰ (۳۵۴/۲)

⑤ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ سانحۂ کربلا کے رنج وغم میں رافضی وغیرہ اس انتہا کو پہنچ گئے کہ نوحہ و ماتم سے دور جہالت کی ان قبیح رسومات کو زندہ کرنے لگے کہ جن سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔ جبکہ ناصبی اور خارجی قسم کے لوگ رافضیوں کی عداوت میں سانحۂ کربلا پر خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان ایام میں ماکولات ومشروبات کا انتظام کرنے لگے۔ پھر ایصالِ ثواب اور سوگ کے نام پر یہ دونوں باتیں دیگر مسلمانوں میں بھی بڑی تیزی سے سرایت کر گئیں۔

حالانکہ راہِ اعتدال یہی ہے کہ ان تمام بدعات وخرافات سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے واقعہ کربلا کو مسلمانوں کے لئے عظیم سانحہ اور حادثہ فاجعہ قرار دیا جائے۔ اور حضرت حسینؓ اور یزید کے سیاسی اختلافات اللہ کے سپرد کر کے دونوں کے بارے میں خاموشی کی راہ اختیار کی جائے۔

اس سلسلے میں 'محدث' میں شائع شدہ درج ذیل مضامین ملاحظہ کریں

یوم عاشوراء کی شرعی حیثیت	شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ	شمارہ ۲۳۴	اپریل ۲۰۰۰ء
محرم الحرام، غلطی ہائے مضامین!	حافظ صلاح الدین یوسف	شمارہ ۲۳۴	اپریل ۲۰۰۰ء
سانحۂ کربلا اور غزوہ قسطنطنیہ	عبدالرحمٰن عزیز الہ آبادی	شمارہ ۲۲۴	مئی ۱۹۹۹ء
سانحۂ کربلا کے بارے میں افراط وتفریط	مولانا ارشاد الحق اثری	شمارہ ۲۲۷	اگست ۱۹۹۹ء
محرم الحرام کی شرعی حیثیت	پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی	شمارہ ۱۶۶	اگست ۱۹۸۸ء
محرم الحرام کے فضائل اور یوم عاشوراء	مولانا عبدالسلام رحمانیؒ	شمارہ ۱۱۵	نومبر ۱۹۸۳ء
محرم الحرام کی شرعی وتاریخی حیثیت	شیخ الحدیث محمد کفگن پوریؒ	شمارہ ۱۴	مارچ ۱۹۷۲ء

www.KitaboSunnat.com

تحقیق وتنقید

حافظ ثناء اللہ ضیاء

نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا؟

اَحناف کے دلائل پر تعاقب اور پیش کردہ روایات پر ایک ناقدانہ نظر

لیل ونہار کے تغیر وتبدل نے نہ صرف آب وہوا کو متاثر کیا بلکہ بنی آدم کو بھی بڑی حد تک متاثر کیا۔ وہ انسان جو کبھی زبان و بیان کے سحر سے متاثر ہوکر تقلید کی زنجیریں مذہبی فریضہ سمجھ کر زیب تن کر لینے کو عقیدت و احترام کی معراج یقین کرتا تھا، آج وہی انسان اپنے ہر سوال کا جواب دلائل و براہین کی روشنی میں حاصل کرنے کا خواہشمند نظر آتا ہے۔

عصر حاضر کے انسان کی اس ارتقائی سوچ نے تقلیدی ایوانوں میں کھلبلی مچا دی ہے، بایں سبب تقلیدی مذہب کے ناخدا اس امر پر مجبور ہو چکے ہیں جو ان کے لئے کسی طرح بھی روا نہ تھا یعنی اپنے امام کے قول وفعل کو کتاب وسنت کی روشنی میں صائب ثابت کریں۔ اس ناروا فعل کو سرانجام دینے کے لئے ہمارے دوستوں نے اغیار کی خدمات مستعار لینے سے بھی گریز نہیں کیا۔ مسند زید بن علی کی من گھڑت روایات کو بطورِ حجت پیش کرنا اسی قسم کی کوششوں کا ایک حصہ ہے۔ اسی طرح چند دیگر خود ساختہ روایات کے مجموعے اور بعض کتبِ احادیث میں تحریف و اضافہ کرکے یہ بات باور کرائی جارہی ہے کہ اختلافی مسائل پر وہ بھی کتاب وسنت سے دلائل رکھتے ہیں۔ حالانکہ کل تک ہمارے بھائی یہ راگ الاپتے رہے ہیں:

"أما المقلد فمستنده في تحصيل العلم بوجوب العمل بأحكام الشرعية قول مجتهده" (كشف المبهم مما في المسلم: ص١٣)

''اُمورِ شرعیہ میں مقلد کے لئے امام کا قول ہی سند ہے۔''

کتاب وسنت سے ناآشنا اپنے مسلک سے نابلد چند دوست مسلمہ حقیقتوں سے انحراف کرکے حقیقت کی سنہری کرنوں کو ایک بار پھر جہالت کے تاریک بادلوں میں چھپانے کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔ وطن عزیز کے بیشتر چھوٹے بڑے شہروں میں مختلف ناموں سے کبھی چند سوالوں پر مشتمل اور کبھی چند ضعیف یا موضوع روایات پر مشتمل اشتہارات وقفے وقفے سے شائع کررہے

www.KitaboSunnat.com

ہیں، اس قسم کا ایک اشتہار میرے سامنے ہے۔ اس اشتہار کا عنوان ہے:

''ہم سنی مسلمان نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ کیوں باندھتے ہیں؟''

یہ اشتہار چھ روایات پر مشتمل ہے۔ زیرنظر مضمون میں ان چھ روایات اور اس موضوع پر چند دیگر دلائل کی حقیقت کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔

دلیل نمبرا

(حدثنی) "زيد بن علي عن أبيه عن جدهٖ عن علي قال: ثلاث من أخلاق الانبياء صلاة الله وسلامه عليهم: تعجيل الإفطار وتأخير السحور ووضع الكف على الكف تحت السرة" (مسند زید بن علی)

''زید بن علی اپنے والد اور دادا کے واسطہ سے حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ تین چیزیں انبیاء علیہم السلام کے اخلاق کا حصہ رہی ہیں: (۱) افطاری (کا وقت ہوجانے کے بعد اس میں) جلدی کرنا، (۲) سحری کو (اس کے آخری وقت تک) مؤخر کرنا اور (۳) حالتِ نماز میں ناف کے نیچے دونوں ہاتھ باندھنا۔''

جواب: کتاب کے نام سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے مؤلف محترم زید بن علیؒ یا ان کے کوئی شاگردِ رشید ہیں مگر درحقیقت ایسا نہیں۔ اس کتاب کا مؤلف عبدالعزیز بن اسحٰق بن بقال ہے، یہ محترم زید بن علی کے قتل سے تقریباً ڈیڈھ صدی بعد پیدا ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق کے مطابق زید بن علی ۱۲۲ہجری میں قتل ہوئے جبکہ ابن سعد کا کہنا ہے کہ وہ صفر ۱۲۰ہجری میں قتل ہوئے۔ (تہذیب التہذیب: ج۳ص۳۶۲)

مسند زید بن علی کے مؤلف کے بارے میں امام ذہبی رقم طراز ہیں:

"عبد العزيز بن اسحٰق بن البقال كان فى حدود الستين وثلاث مائة قال ابن أبى الفوارس الحافظ: له مذهب خبيث ولم يكن فى الرواية بذاك، سمعت منه أحاديث فيها أحاديث ردية" (میزان الاعتدال:۳۵۸/۴)

''عبدالعزیز بن اسحٰق بن جعفر البقال تین سو ساٹھ (۳۶۰ہجری) کے قریب گزرا ہے۔ اس کے بارے میں امام ابن الفوارس فرماتے ہیں کہ یہ خبیث مسلک کا پیروکار تھا اور روایتِ حدیث میں اچھی شہرت کا حامل نہ تھا، میں نے ان سے جو احادیث سنی ہیں ان میں بیشتر احادیث مردود ہیں۔''

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ اس نے زید یہ فرقے کے حق میں کتابیں تحریر کی ہیں۔ واضح رہے

www.KitaboSunnat.com

کہ زید یہ فرقہ اہل تشیع کے غالی فرقوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس فرقہ کے بارے میں بہت سی معلومات 'تاریخ فاطمین مصر' نامی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ جس کتاب کا مؤلف خبیث نظریات کا حامل ہو اور وہ روایتِ حدیث میں بری شہرت رکھتا ہو، اس کی تالیف کردہ کتاب کی استنادی حیثیت کیا ہوگی۔

دوسرا راوی، عمرو بن خالد واسطی: اس کتاب کا ایک اہم راوی ابوخالد عمرو بن خالد واسطی ہے۔ یہ وہ راوی ہے جو مسند علی کی ہر روایت میں موجود ہے، زیر بحث روایت کا مرکزی کردار بھی یہی راوی ہے۔ یہ راوی تمام نامور محدثین کے نزدیک ناقابل اعتبار ہے۔

عمرو بن خالد، امام احمد بن حنبلؒ کی نظر میں:

① قال الأثرم عن أحمد: كذاب يروى عن زيد بن علي عن آبائه أحاديث موضوعة (تہذیب التہذیب: ۲۴/۸) یعنی ''عمرو بن خالد کذاب ہے۔ وہ زید بن علی کے توسط سے ان کے آباؤ اجداد کی طرف من گھڑت روایات منسوب کرتا ہے۔''

② قال أحمد بن محمد قال أبوعبد الله: عمرو بن خالد الواسطي كذاب قلت له الذى يروى عنه اسرائيل قال نعم الذى يروى حديث الزيدين ويروى عن زيد بن على عن آبائهٖ أحاديث موضوعة (ضعفاء از عقیلی: ۱۲۷۴)

''احمد بن محمد کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ عمرو بن خالد جھوٹا ہے۔ میں نے کہا وہی عمرو بن خالد جس سے اسرائیل روایت کرتا ہے، انہوں نے فرمایا: ہاں وہی جو زیدین اور زید بن علی کے توسط سے ان کے آباؤ اجداد کی طرف من گھڑت روایات منسوب کرتا ہے۔''

③ قال أبى: عمرو بن خالد هذا ليس بشيئ متروك الحديث (العلل: ۳۳۰، کتاب الجرح والتعدیل: ج۶ ص۲۳۰، تہذیب الکمال: ۴۳۵۷/۲۱)

''امام احمدؒ کے فرزندِ ارجمند محترم عبداللہ کہتے ہیں کہ میرے والد محترم نے فرمایا کہ عمرو بن خالد ایک بے قیمت راوی ہے جس کی روایت کو محدثین نے ترک کر رکھا ہے۔''

روى أحمد بن ثابت عن أحمد بن حنبل قال: عمرو بن خالد الواسطى كذاب (میزان الاعتدال: ج۵ ص۳۱۳، الکامل: ۱۲۸۹)

''احمد بن ثابت احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ عمرو بن خالد واسطی کذاب راوی ہے۔''

قال ابن حبان كذبه أحمد بن حنبل ويحيىٰ ابن معين (المجروحین ۷۵/۲)

www.KitaboSunnat.com

''امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ امام احمد اور امام یحییٰ بن معین نے عمرو بن خالد کو کذاب قرار دیا ہے۔''

عمرو بن خالد، امام ابوحاتم کی نظر میں:

عن عبدالرحمن قال سألت أبي عن عمرو بن خالد القرشي مولىٰ بني هاشم الواسطي روىٰ عن أبي جعفر محمد بن علي وزيد بن علي فقال متروك الحديث (الجرح والتعدیل: ج۶/ص۲۳۰)

''امام ابوحاتم کے لختِ جگر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے عمرو بن خالد مولیٰ بنی ہاشم کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا وہ 'متروک الحدیث' ہے۔

امام یحییٰ بن معین کی نظر میں:

عن يحيىٰ بن معين قال عمرو بن خالد كذاب غير ثقة ولا مأمون (الجرح والتعدیل: ج۶/ص۲۳۰)

''یحییٰ بن معین بھی عمرو بن خالد کو کذاب و غیر ثقہ قرار دیتے ہیں۔''

امام ابوزرعہ اور اسحاق بن راہویہ کی نظر میں:

عن عبدالرحمن قال سألت أبا زرعة عن عمرو بن خالد الواسطي فقال كان واسطي وكان يضع الحديث (الجرح والتعدیل: ج۶/ص۲۳۰)

''عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں نے ابوزرعہ سے عمرو بن خالد واسطی کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ جھوٹی احادیث تیار کرتا تھا۔''

امام وکیع اور امام حاکم کی نظر میں:

قال وكيع كان في جوارنا يضع الحديث، فلما فطن له تحول إلى الواسط (میزان الاعتدال: ج۵/ص۳۱۲)

''محترم وکیعؒ فرماتے ہیں کہ عمرو بن خالد ہمارے پڑوس میں رہتا تھا اور وہ خود ساختہ روایات بیان کرتا تھا اور جب اسے لوگوں کی نفرت کا احساس ہوا تو وہ 'واسط' کی طرف فرار ہوگیا۔''

قال الحاكم:

يروي عن زيد بن علي الموضوعات (تہذیب التہذیب:۸/۲۵)

''حاکم کہتے ہیں عمرو بن خالد خود ساختہ روایات کو زید بن علی کی طرف منسوب کرتا تھا۔''

امام بخاری اور امام نسائی کی نظر میں:

عمرو بن خالد مولىٰ بن هاشم عن زيد بن علي روىٰ عنه اسرائيل منكر

www.KitaboSunnat.com

الحديث (التاریخ الصغیر:ص۱۳۹)..... عمرو بن خالد یروی عن حبیب ابن ثابت متروك الحديث (كتاب الضعفاء والمتروكين)

''عمرو بن خالد جو زید بن علی کے واسطہ سے اور اس سے اسرائیل روایت کرتا ہے (یہ راوی) منکر الحدیث ہے۔''..... ''امام نسائی اسے متروک الحدیث قرار دیتے ہیں۔''

دلیل نمبر۲

عن أنس: من أخلاق النبوة وضع اليمين على الشمال تحت السرة

''حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ (نماز میں) دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف سے نیچے باندھنا انبیا کے اَخلاق (سنت) سے ہے۔''

جواب: یہ روایت علمائے احناف زمانہ قدیم سے امام ابن حزم کے حوالے سے نقل کرتے چلے آرہے ہیں۔مگر آج تک کسی عالم نے یہ روایت مع سند نقل نہیں کی اور نہ کوئی سراغ رساں اس روایت کو کتبِ احادیث میں تاحال تلاش کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی روایت کو بار بار بطورِ دلیل پیش کرنا ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے؟

یادرہے کہ تحت السرة کی زیادتی کے بغیر یہ روایت درج ذیل طرق سے مروی ہے:

① حدثنا أحمد بن طاهر بن حرملة بن يحيىٰ، ثنا جدي حرملة بن يحيىٰ، ثنا ابن وهب اخبرنی عمرو بن الحارث قال سمعت عطاء بن أبی رباح قال سمعت ابن عباس يقول سمعت نبی الله يقول إنّا معاشر الانبياء أمرنا بتعجيل فطرنا وتأخير سحورنا ووضع أيماننا على شمائلنا فی الصلاة (المعجم الکبیر: ج۱۱ص۱۵۹، الاوسط: ج۲ص۵۲۶)

''احمد بن طاہر از حرملہ بن یحییٰ از ابن وہب از عمرو بن حارث از عطا از ابن عباس سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سنا کہ ہم انبیا کی جماعت کو افطاری میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرنے اور حالتِ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔''

امام ابن حبان نے بھی یہی متن اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔(صحیح ابن حبان: ۶۷/۵)

② حدثنا العباس بن محمد المجاشعي الاصبهاني ثنا محمد بن أبی يعقوب الكرمانی ثنا سفيان بن عينية عن عمرو بن دينار عن طاؤس عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال إنا معاشر الانبياء أمرنا أن نعجل الأفطار وأن نؤخرالسحور وأن نضرب بأيماننا على شمائلنا

www.KitaboSunnat.com

(المعجم الکبیر: ج۱۱ص۶، الاوسط: ج۵ص۱۳۷)

③ حدثنا إسحاق بن محمد الخزاعي المكي قال حدثنا يحيىٰ بن سعيد بن سالم القداح قال حدثنا عبد المجيد بن عبد العزيز بن ابي رواد عن أبيه عن نافع عن ابن عمر عن النبیﷺ قال: انا معاشر الانبياء أمرنا بثلاث: بتعجيل الفطر وتاخير السحور ووضع اليمنىٰ على اليسرىٰ فی الصلاة (الاوسط: ج۴ص۴۱)

اس متن کو امام بیہقی نے بھی اسی سند سے نقل کیا ہے، البتہ بیہقی میں اسحٰق بن محمد کی جگہ اسحٰق بن احمد مرقوم ہے۔ (ج۲ص۳۱۵)

④ حدثنا محمد بن شعيب قال حدثنا عبدالرحمن بن سلمة قال حدثنا أبو زهير عبدالرحمن بن مغواء عن عمر بن عبدالله بن يعلى بن مرة عن أبيه عن جده قال قال رسول اللهﷺ: ثلاث يحبها الله، تعجيل الفطر وتأخير السحور وضرب اليدين إحداهما على الأخرىٰ في الصلاة (الاوسط: ج۸ص۲۲۸)

⑤ حدثنا ابن صاعد نا زياد بن أيوب نا النضر بن إسماعيل عن ابن أبی ليلىٰ عن عطاء عن أبی هريرة قال قال رسول اللهﷺ امرنا معاشر الانبياء أن نعجل إفطارنا ونؤخر سحورنا ونضرب بأيماننا على شمائلنا فی الصلاة (دارقطنی: ج۱ص۲۸۴)

⑥ حدثنا عبدالله بن محمد بن عبدالعزيز ثنا شجاع بن مخلد ثنا هثيم قال منصور ثنا عن محمد بن أبان الأنصاری عن عائشة قالت ثلاثة من النبوة تعجيل الافطار وتأخير السحور ووضع اليد اليمنىٰ على اليسرىٰ في الصلاة (ایضاً)

⑦ حدثنا وكيع عن اسماعيل بن أبی خالد عن الأعمش عن مجاهد عن مؤرق العجل عن أبی الدرداء قال من أخلاق النبيين وضع اليمين على الشمال فی الصلاة (مصنف ابن ابی شیبہ: ج۱ص۴۲۸)

ان روایات میں اگرچہ بعض طرق ضعیف بھی ہیں، تاہم ان روایات سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا متن 'تحت السرۃ' کی زیادتی کے بغیر محفوظ ہے اور 'تحت السرۃ' کی زیادتی کسی عیار ہاتھ کی صفائی ہے۔

www.KitaboSunnat.com

دلیل نمبر۳

حدثنا وكيع عن موسیٰ بن عمير عن علقمة بن وائل بن حجر عن أبيه قال رأيت النبی ﷺ وضع يمينه على شماله فی الصلاة تحت السرة

''وکیع از موسیٰ بن عمیر از علقمہ از وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ حالتِ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھے ہوئے تھے۔''

جواب: یہ روایت ہمارے بھائی کبھی مصنف ابن ابی شیبہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں اور کبھی مطبوعہ طیب اکادمی، ملتان کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں اور کبھی محمد اکرم نصرپوری کے نسخہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔ اوّل الذکر دونوں نسخوں میں ہمارے بھائیوں نے تارِعنکبوت سے کمزور دلیل کو العروۃ الوثقیٰ ثابت کرنے کے لئے بدترین علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامی، کراچی نے شیخ محمد ہاشم السندی کی تالیف درهم العسرة فی وضع اليدين تحت السرة شائع کی ہے، اس کے آغاز میں چار صفحات قلمی تحریر کے عکسی شائع کئے ہیں، ان میں فاضل محرر شیخ محمد اکرم نصرپوری کے نسخہ کے متعلق رقم طراز ہیں:

"فی نسخة الشيخ محمد أكرم أن لفظة تحت السرة من تتمة الحديث كما هو الموجود الان فيها وأن اثر النخعي ساقط منه بتمامه مع لفظة تحت السرة" یعنی ''شیخ محمد اکرم کے نسخہ میں ابھی تک حدیث کے آخر میں تحت السرۃ کے الفاظ ہیں اور اس میں ابراہیم نخعی کا اثر مکمل طور پر موجود نہیں ہے۔''

فاضل محرر کی درج بالا تحریر اس حقیقت کا کھلا اعتراف ہے کہ شیخ محمد اکرم نصرپوری کا نسخہ مصدقہ نسخہ نہیں کیونکہ اس میں ابراہیم نخعی کے اثر کا ساقط ہونا اس نسخہ کے تحریر کنندہ کی غفلت کی طرف واضح اشارہ کررہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے نسخہ کی منفرد عبارت کو مصدقہ نسخہ کے خلاف پیش کرنا سینہ زوری کے مترادف ہے۔

امام ابوبکرؒ نے اس روایت کو اوّل تا آخر جس سند کے ساتھ نقل کیا، اسی سند سے روایت شدہ الفاظ درج ذیل کتب میں بھی موجود ہیں جبکہ ان میں سے کسی ایک میں بھی 'تحت السرۃ' کے الفاظ نہیں، ملاحظہ کیجئے:

① حدثنا وكيع حدثنا موسیٰ بن عمير العنبری عن علقمة بن وائل بن

www.KitaboSunnat.com

حجر عن أبيه قال رأيت رسول اللهﷺ واضعًا يمينه على شماله فى الصلاة (مسند احمد مطبوعہ دارالفکر، بیروت: ج۶ص۳۹۷)

② نا وكيع نا موسىٰ بن عمير العنبرى عن علقمة بن وائل الحضرمي عن أبيه قال رأيت رسول اللهﷺ واضعا يمينه على شماله فى الصلاة (سنن دارقطنی مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان: ج۱ص۲۸۶)

اسی طرح امام بیہقی اور امام طبرانی موسیٰ بن عمیر سے ابونعیم کے واسطے سے یہی روایت 'تحت السرۃ' کی زیادتی کے بغیر ذکر کرتے ہیں، ملاحظہ کیجئے:

أبونعيم حدثنا موسىٰ بن عمير العنبري حدثنا علقمة بن وائل عن أبيه أن النبیﷺ كان إذا قام في الصلاة قبض على شماله بيمينه (المعجم الکبیر طبرانی مطبوعہ داراحیاء التراث العربی:۲۲/۵۹، السنن الکبریٰ بیہقی مطبوعہ دارالفکر:۲/۳۱۴)

حنفی علما کا اپنے دلائل میں اس حدیث کو ذکر نہ کرنا: ابن ترکمانی حنفی الجوهر النقي میں اپنے مذہب کی تائید میں مصنف ابن ابی شیبہ سے ابومجلد تابعی کا اثر نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال ابن ابى شيبة فى مصنفه: ثنا يزيد بن هارون قال أخبرنا الحجاج بن حسان قال سمعت أبا مجلد أو سألته قلت كيف أصنع قال يصنع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلهما تحت السرة

اس اثر کو نقل کرنے کے بعد ابن ترکمانی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ضعیف حدیث اور دوسری ضعیف جو حضرت انسؓ سے مروی ہے، نقل کرتے ہیں جبکہ زیر بحث روایت کو وہ نقل نہیں کرتے، ان کا اس روایت کو نقل نہ کرنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس وقت تک مصنف ابن ابی شیبہ کی یہ روایت علمی بددیانتی کی بھینٹ نہ چڑھی تھی۔

علامہ عینی حنفی کی تصانیف میں مصنف ابن ابی شیبہ کی متعدد روایات موجود ہیں۔ موصوف نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی دیگر تمام روایات ذکر کی ہیں جو کہ سب کی سب ضعیف ہیں مگر موصوف نے ابن ابی شیبہ کی زیر بحث روایت کو اپنے موقف کی تائید میں ذکر نہیں کیا، ان کا اس حدیث کو ذکر نہ کرنا کیا اس امر کی دلیل نہیں کہ اس وقت تک ہمارے کسی حنفی نے مصنف ابن ابی شیبہ کی اس حدیث پر ہاتھ صاف نہ کیا تھا؟!

علامہ ابن عبدالبر نے 'تمہید' میں مصنف ابن ابی شیبہ سے متعدد روایات وآثار نقل کئے ہیں خصوصاً انہوں نے ابومجلد سے مروی اثر ابن ابی شیبہ کے حوالے سے نقل کیا ہے مگر موصوف نے

www.KitaboSunnat.com

بھی زیر بحث حدیث کو نقل نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہیں مصنف ابن ابی شیبہ کا جو نسخہ میسر تھا، اس میں بھی مرفوع حدیث میں 'تحت السرۃ' کے الفاظ نہ تھے۔

دلیل نمبر۴

حدثنا أبومعاوية عن عبد الرحمن بن إسحاق عن زياد بن زيد السوالیٰ عن أبی جحيفة عن علی رضی الله عنه قال: من السنة وضع الأيدي علی الأيدي تحت السرر (مصنف ابن ابی شیبہ)

''ابوجحیفہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا سنت ہے۔''

یہ روایت اسی سند سے دارقطنی، مسند احمد اور بیہقی میں درج ذیل الفاظ سے مروی ہے:

من السنة وضع الكف علی الكف تحت السرة اور اسی سے ملتے جلتے الفاظ سے ابوداود میں بھی ہے۔

جواب: محترم علی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کا مرکزی راوی عبدالرحمٰن بن اسحٰق ہے، اس کی کنیت ابوشیبہ الواسطی ہے، یہ نعمان بن سعد کا شاگرد خاص ہے، وہ یہ روایت زیاد بن زید اور نعمان بن سعد سے نقل کرتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن اسحٰق، امام احمد بن حنبل کی نظر میں:

قال عبد الله: سألت أبی عن عبد الرحمن بن إسحاق الكوفی فقال هذا يقال له أبوشيبة وهو الواسطي كان يروی عنه ابن إدريس وأبومعاوية وابن فضيل وهو الذی يحدث عن النعمان بن سعد ليس هو بذاك فی الحديث (العلل:۲۵۶۰)

''امام احمدؒ کے فرزندِ ارجمند کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد سے عبدالرحمٰن کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے فرمایا: یہ وہی ہے جسے ابوشیبہ واسطی کہا جاتا ہے، اس سے ابن ادریس، ابومعاویہ اور ابن فضیل روایت کرتے ہیں جبکہ یہ نعمان بن سعد سے روایت کرتا ہے..... یہ حدیث میں قابل اعتبار نہیں ہے۔''

قال أبوطالب سألت أحمد بن حنبل عن أبی شيبة الواسطي عبدالرحمن بن اسحٰق قال ليس بشيئ منكرالحديث (الجرح والتعدیل: ج۵ص۳۱۳، میزان الاعتدال: ج۴ص۲۶۰، تہذیب التہذیب: ج۶ص۱۲۵)

''ابوطالب کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبلؒ سے ابوشیبہ الواسطی کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: یہ ایسا بے قیمت راوی ہے جس کی روایات کو ناپسند کیا گیا ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

قال أبوداوٗد سمعت أحمد بن حنبل: يضعف عبد الرحمن ابن اسحق الكوفي (ابوداوٗد نسخہ ابن العربی: ج۱ص۲۸۱)

''امام ابوداود فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبلؒ، عبدالرحمٰن بن اسحٰق کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔''

عبدالرحمٰن بن اسحٰق، امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم رازی کی نظر میں:

عن عبدالرحمن قال سألت أبی عن ابی شيبة عبدالرحمن بن اسحاق فقال هو ضعيف الحديث منكر الحديث يكتب حديثه ولا يحتج به (الجرح والتعدیل: ج۵ص۲۱۳، تہذیب التہذیب: ج۶ص۱۲۴)

''عبدالرحمٰن کہتے ہیں: میں نے اپنے والد ماجد سے ابوشیبہ عبدالرحمٰن بن اسحاق کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہے، اس کی روایات کو لکھا تو جاسکتا ہے مگر دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔''

قال عبد الرحمن سئل أبوزرعة عن عبد الرحمن بن إسحق الذي يروى عنه أبي زائدة وأبومعاوية ، فقال: ليس بقوي (الجرح والتعدیل: ۲۱۳/۵)

یعنی ابوزرعہ بھی اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن اسحٰق، امام بخاری اور امام نسائی کی نظر میں:

قال البخاری: فيه نظر (التاریخ الصغیر للبخاری ص۱۵۶)

قال النسائی: ضعيف (کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی)

امام بخاری نے 'فیہ نظر' کہہ کر عبدالرحمٰن بن اسحاق کو ضعیف ترین قرار دیا ہے جیسا کہ شیخ عبدالحیٔ لکھنوی رقم طراز ہیں:

قول البخاري فی حق أحد من الرواة 'فيه نظر' يدل على أنه متهم عنده (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل: ص۵۹)

''امام بخاریؒ کا کسی راوی کے بارے میں 'فیہ نظر' کہنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ راوی امام بخاری کے نزدیک متہم بالکذب ہے۔''

امام ذہبی فرماتے ہیں:

ولا يقول هذا إلافيمن يتهمه غالباً (میزان الاعتدال: ج۴ص۹۲)

''امام بخاریؒ عام طور پر متہم بالکذب راوی کے بارے میں یہ الفاظ 'فیہ نظر' کہا کرتے ہیں۔''

امام عراقی فرماتے ہیں:

فلان فيه نظر وفلان سكتوا عنه: هاتان العبارتان يقولهما البخاري

www.KitaboSunnat.com

فیمن ترکوا حدیثه ''جس راوی کی روایت کو محدثین نے مسترد کیا ہے، اس کے بارے میں امام بخاری درج بالا الفاظ (یعنی 'فیہ نظر' اور 'سکتوا عنہ') استعمال کرتے ہیں۔''

عبدالرحمٰن بن اسحٰق، امام یحییٰ بن معین اور امام ابن خزیمہ کی نظر میں:

عن ابن معین لیس بذاك القوی (تہذیب التہذیب: ج۴ص۱۲۴)

قال ابن خزیمة لا یحتج بحدیثه (ایضاً)

مختصر یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق کو تمام ماہرین نے نا قابل اعتبار و استشہاد قرار دیا ہے۔

زیاد بن زید کا تعارف: اس روایت کی سند میں دوسری خرابی یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق کا شیخ بھی قابل اعتبار نہیں کیونکہ امام ابوحاتم نے اسے مجہول قرار دیا ہے (الجرح والتعدیل: ۳/۵۳۲)

سوال: شیخ محمد حنیف گنگوہی (فاضل دارالعلوم دیوبند) نے لکھا ہے کہ زیاد بن زید کا مجہول ہونا مضر نہیں، اس لئے کہ دارقطنی نے عبدالرحمن بن إسحق عن النعمان بن علي عن علی بھی روایت کیا ہے۔ (غایۃ السعایہ: ج۳/ص۳۹)

جواب: معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے دارقطنی کی طرف مراجعت کئے بغیر اس بات کو دارقطنی کی طرف منسوب کردیا ہے، دارقطنی میں یہ روایت عبدالرحمٰن بن اسحٰق عن نعمان بن علی سے نہیں بلکہ نعمان بن سعد سے ہے جیسا کہ دارقطنی میں ہے:

حدثنا محمد بن القاسم ثنا أبوكريب ثنا حفص بن غياث عن عبدالرحمن بن إسحاق عن النعمان بن سعد عن علی (انتهٰی) (۲۸۶/۱)

دارقطنی کے اس طریق سے زیاد بن زید کی جہالت کا ضرر تو زائل ہوگیا ہے مگر ایک نئی خرابی پیدا ہوگئی کہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق جو روایات اپنے ماموں نعمان بن سعد سے نقل کرتا ہے، وہ روایات امام احمد کے نزدیک مناکیر ہیں:

قال عبدالرحمن بن أحمد عن أبيه ليس بذاك وهو الذي يحدث عن النعمان بن سعد أحاديث مناكير (تہذیب التہذیب: ج۶/ص۱۲۴)

امام نوویؒ اس حدیث کے بارے میں رقم طراز ہیں:

أما حديث علی رضی الله عنه أنه قال من السنة في الصلاة وضع الأكف علی الأكف تحت السرة ضعيف متفق علی تضعيفه رواه الدارقطنی والبيهقی من رواية أبی شيبة عبد الرحمن بن اسحق الواسطی وهو ضعيف بالاتفاق (شرح النووی: ج۴/ص۱۵۳)

www.KitaboSunnat.com

''حضرت علیؓ سے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے بارے میں مروی روایت کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ اس روایت کو امام دارقطنی اور امام بیہقی نے عبدالرحمٰن بن اسحٰق سے نقل کیا ہے جبکہ وہ تمام ماہرین فن کے نزدیک بالاتفاق ضعیف ہے۔''

واضح رہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق سے مروی روایات کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ البتہ اس سے مروی روایات کے موضوع ہونے پر اختلاف ہے۔ امام بخاریؒ اور امام ابن جوزیؒ کے نزدیک عبدالرحمٰن بن اسحٰق متہم بالکذب ہے، اس لئے امام ابن جوزی نے اس سے مروی روایات کو 'موضوعات' میں شمار کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے جمہور کی تحقیق کو تسلیم کرتے ہوئے اس سے مروی روایات پر 'موضوع' کا حکم لگانے کی مخالفت کی ہے اور ان کے 'ضعیف' ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نعمان بن سعد کے ترجمہ میں رقم طراز ہیں:

وذكره ابن حبان فى الثقات قلت: والراوي عنه ضعيف كما تقدم فلا يحتج بخبره (تہذیب التہذیب: ج۱۰ص۴۰۵)

''نعمان بن سعد کو امام ابن حبان نے 'کتاب الثقات' میں ذکر کیا ہے، البتہ ان سے (جو فقط ایک ہی راوی یعنی ان کا بھانجا) عبدالرحمٰن بن اسحٰق روایت کرتا ہے، وہ ضعیف ہے اس لئے اس سے مروی روایت کو بطورِ حجت نہیں لیا جائے گا۔''

جیسا کہ درج بالا سطور میں ذکر کیا گیا کہ حافظ ابن حجر نے عبدالرحمٰن بن اسحٰق سے مروی روایات کو موضوع تسلیم نہیں کیا۔ ان کے اس عمل سے ہمارے بعض علمی حلقے غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔

امام زیلعیؒ نے عبدالرحمٰن بن اسحٰق کے بارے میں امام نووی کی تحقیق کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں 'نصب الرایہ' میں درج کیا ہے، لیکن نصب الرایہ کے محشی شیخ یوسف بنوری نے امام نوویؒ پر برہمی کا اظہار اس طرح فرمایا ہے:

هذا تهور منه كما هو دأبه فى أمثال هذه المواقع وإلا فقد قال الحافظ بن حجر فى "القول المسدد" وحسن له الترمذى حديثا مع قوله إنه تكلم فيه من قبل حفظه وصحح الحاكم من طريقه حديثا وأخرج له ابن خزيمة من صحيحه آخر ولكن قال وفى القلب من عبد الرحمن شيئ (حاشیہ نصب الرایہ: ج۱ص۳۱۴)

فاضل دیوبند جناب محمد حنیف گنگوہی نے اسی عبارت کا ترجمہ اُردو زبان میں غاية السعاية میں نقل کیا ہے:

www.KitaboSunnat.com

''یہ ان حضرات کا تہور ومبالغہ اور انتہائی جسارت ہے، اس واسطے کہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق ضعیف ہے۔ یہ تو صحیح ہے لیکن اتنا ضعیف نہیں کہ اس کی ہر روایت کو 'بالاتفاق' ضعیف کہہ دیا جائے کیونکہ حافظ ابن حجر نے 'القول المسدد' میں کہا کہ امام ترمذی نے ان کی ایک حدیث کی تحسین کی ہے۔ اسی طرح حاکم نے ان کے طریق پر ایک حدیث کی تصحیح کی ہے۔ نیز ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ان کی حدیث روایت کرکے صرف یہ کہہ کر "وفی القلب عن عبدالرحمن شیئ" تردّد ظاہر کیا ہے۔ (غایة السعایة : ج۳ر ص۳۱)

ان شیوخ کے اندازِ تحریر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے 'القول المسدد' کی طرف مراجعت کئے بغیر عبدالرحمٰن بن اسحاق کی وکالت کا فریضہ ادا کیا ہے۔ راقم یہ بات پہلے تحریر کرآیا کہ حافظ ابن حجر امام نوویؒ کے رائے سے مکمل اتفاق رکھتے ہیں جیسا کہ انہوں نے تہذیب التہذیب میں ذکر کیا ہے۔ البتہ امام ابن جوزی کی تحقیق سے انہیں اختلاف ہے یعنی امام ابن جوزی عبدالرحمٰن بن اسحٰق سے مروی روایات کو موضوع قرار دیتے ہیں اور ابن حجر اس روایت کے موضوع ہونے کا ردّ کرتے ہیں جیسا کہ وہ 'القول المسدد' کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

"أما بعد: فقد رأيت أن أذكر في هذه الأوراق ما حضرني من الكلام على أحاديث التى زعم بعض أهل الحديث أنها موضوعة وهى فى المسند الشهير للامام الكبير أبى عبدالله أحمد بن حنبل إمام أهل الحديث فى القديم والحديث (القول المسدد:ص۵۱)

''میں نے پختہ ارادہ کیا کہ میں ان اوراق میں وہ معلومات ذکر کروں جو بعض اہلحدیث نے ان احادیث پر کی ہے جو ان کے خیال میں موضوع ہیں اور مسند احمد بن حنبل میں موجود ہیں۔''

جہاں تک امام ترمذیؒ کی تحسین اور امام حاکمؒ کی تصحیح کا تعلق ہے تو یہ حقیقت تمام اہل علم پر عیاں ہیں کہ ان حضرات کا دیگر ائمہ کے خلاف کسی روایت کو حسن یا صحیح قرار دینا قابل حجت نہیں۔ حافظ ابن خزیمہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق سے مروی حدیث اپنی صحیح میں لائے ہیں لیکن انہوں نے اس پر نہ صرف صحیح کا حکم نہیں لگایا بلکہ اس پر جرح نقل فرمائی جیسا کہ وہ اس حدیث کو نقل کرنے سے پہلے رقم طراز ہیں:

باب ذكر ما عدا الله جل وعلا في الجنة من الغرف لمداوم صيام التطوع إن صح الخبر فإن فى القلب من عبد الرحمن بن إسحق أبى

www.KitaboSunnat.com

شيبة الكوفى وليس هو بعبد الرحمن بن إسحاق الملقب بـ 'عباد' الذى روىٰ عن سعيد المقبرى والزهري وغيرهما هو صالح الحديث

(صحیح ابن خزیمہ: ج۳ص۳۰۶)

''اگر حدیث صحیح ہو تو اس امر کا بیان جو اللہ نے کثرت سے نفلی روزے رکھنے والوں کے لئے جنت میں بالا خانے تیار کئے، بلا شبہ دل میں عبدالرحمٰن بن اسحٰق کی طرف سے تردّد ہے۔ واضح رہے کہ یہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق وہ نہیں جو 'عباد' کے لقب سے مشہور ہے اور وہ سعید مقبری اور زہری وغیرہما سے روایت کرتا ہے اور وہ 'صالح الحدیث' ہے۔''

علامہ یوسف بنوری اور مولوی محمد حنیف گنگوہی نے اہل بصیرت ہونے کے باوجود مسئلہ وضع اليدين في الصلاة تحت السرة میں جو غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے، وہ قابل تعسف ہے۔ مذکورہ بالا دونوں حضرات عبدالرحمٰن بن اسحٰق کی وکالت کرتے ہوئے امام ابن خزیمہ کی کتاب کو حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق صحیح ابن خزیمہ تسلیم کرتے ہیں جبکہ وضع اليدين في الصلاة على الصدر والی روایت میں اپنے اسی موقف کے خلاف رقم طراز ہیں:

قوله: روى ابن خزيمة فى صحيحه من حديث وائل بن حجر قال صليت مع رسول اللهﷺ، أما حديث وائل هذا ذكره كثير من أهل العلم و عزوه إلى ابن خزيمه مع سكوت عن نسبة التصحيح

(حاشیہ نصب الرایہ: ج۱ص۳۱۴)

''وہ حدیث جس میں 'علی صدرہٖ' کی زیادتی ہے، سو اس کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں صرف یہ کہا ہے 'قد روىٰ ابن خزيمة من حديث وائل أنه وضعهما على صدره والبزار عند صدره'' ابن خزیمہ سے اس کی تصحیح ذکر نہیں کی، نہ فتح الباری میں، نہ تلخیص میں، نہ درایہ میں اور نہ بلوغ المرام میں۔'' (غایۃ السعایہ: ۴۲/۳)

دلیل نمبر۵

حدثنا مسدد ثنا عبد الواحد بن زياد عن عبد الرحمن بن اسحق الكوفي عن سيار أبى الحكم عن أبى وائل قال قال أبو هريرة أخذ الأكف على الأكف فى الصلاة تحت السرة، قال أبوداود سمعت أحمد بن حنبل يضعف حديث عبد الرحمن بن إسحاق الكوفى

(ابوداود مع المنہل: ج۵ص۱۶۵)

''حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نماز میں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا چاہئے۔ (اس

www.KitaboSunnat.com

روایت کو ذکر کرنے کے بعد) امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا ہے کہ وہ عبدالرحمٰن بن اسحٰق کوفی کی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔''

اس روایت کا مرکزی راوی بھی عبدالرحمٰن بن اسحٰق کوفی ہے۔ اس راوی کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ امام ابوداود نے امام احمد کا قول نقل کیا ہے۔

دلیل نمبر۶

حدثنا أبوالوليد الطيالسي قال حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الجحدري عن عقبة بن صهبان سمع عليًّا يقول فى قول الله عزوجل ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال وضع اليمنى على اليسرىٰ تحت السرة (تمہید)

''عقبہ بن صہبان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے سنا کہ وہ اس آیت ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ (اپنے ربّ کے لئے نماز پڑھئے اور نحر کیجئے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ (نحر سے مراد) دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھنا ہے۔''

حضرت علیؓ سے اس آیت کی تفسیر میں متعدد روایات مروی ہیں مثلاً:

① حدثنا موسىٰ بن إسماعيل حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الجحدرى عن عقبة بن صهبان عن علي ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال هو وضع يمينك على شمالك فى الصلاة

(السنن الکبریٰ للبیہقی مطبوعہ مکتبہ دارالفکر: ج۲ص۳۱۶)

''حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ فصل لربك وانحر کا معنی ہے کہ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں کے اوپر رکھا جائے۔ (اس میں سینے یا ناف کا ذکر نہیں)''

② موسىٰ بن إسماعيل عن حماد بن سلمة سمع عاصم الجحدرى عن أبيه عن عقبة بن صهبان عن علي ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ وضع يده اليمنى على وسط ساعده على صدره (ایضاً)

حدثنا شيبان ثنا حماد بن سلمة ثنا عاصم الجحدرى عن أبيه عن عقبة بن صهبان كذا قال إن عليا رضى الله عنه قال فى هذه الآية ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قال وضع يده اليمنى على وسط يده اليسرىٰ ثم وضعهما على صدره (ایضاً: ص۲ص۳۱۸)

''حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فصل لربك وانحر کا معنی اس طرح بیان کیا کہ دایاں ہاتھ بائیں کے درمیانی حصہ پر رکھ کر انہیں سینے پر باندھ لیا۔''

www.KitaboSunnat.com

درج بالا روایات سے یہ واضح ہوا کہ حضرت علیؓ سے 'تحت السرۃ' کی ایک روایت مروی ہے جبکہ 'علیٰ صدرہٖ' کی دو روایات ہیں۔ دو روایات کو ایک روایت کے بالمقابل ترجیح دینا چاہئے۔ یوں بھی پہلی ایک، اور دوسری دو روایات ضعیف ہیں۔

دلیل نمبر ۷

حدثنا يزيد بن هارون قال أخبرنا حجاج بن حسان قال سمعت أبا مجلز أوسألته قال قلت كيف يضع قال يضع باطن كف يمينه على ظاهر كف شماله ويجعلهما أسفل السرة (مصنف ابن ابی شیبہ)

''ابومجلز (تابعی) حالتِ نماز میں دائیں ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر ناف کے نیچے اُنہیں باندھتے۔''

ابومجلز کے اس اثر کو امام ابوداود (نسخہ ابن العربی) نے تعلیقاً نقل کیا جبکہ امام ابوبکر نے اس اثر کو موصولاً نقل کیا ہے جیسا کہ درج بالا سند سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن امام بیہقیؒ نے سعید بن جبیر کا اثر 'فوق السرۃ' نقل کرنے کے بعد تحریر کیا ہے:

كذلك قاله أبومجلز لاحق بن حميد (بیہقی: ج۲ر ص۳۱۸)

حنفی حضرات شیخ قاسم بن قطلو بغا کے بیان کو بنیاد بنا کر جس طرح مصنف ابن ابی شیبہ کے متعدد نسخے ثابت کرنے پر مصر ہیں، اِسی طرح ہم بھی اگر چاہیں تو امام بیہقی کے اس قول کو بنیاد بنا کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابومجلز سے اس سلسلے میں دو روایات ہیں، ایک تحت السرۃ کی اور دوسری فوق السرۃ کی مگر یہ حرکت کرکے احناف کی طرح حقیقت کے چہرے کو مسخ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ہمارا دین ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتا۔

اس لئے ہم یہی عرض کریں گے کہ اس سلسلہ میں یا تو امام بیہقی سے تسامح ہوا ہے یا پھر کسی نسخہ لکھنے والے سے غلطی ہوئی ہے۔ لیکن ابومجلز کے اثر کے جواب میں ہم یہ ضرور عرض کریں گے کہ یہ دلیل بھی اَحناف کیلئے بے سود ہے کیونکہ ابومجلز تابعی ہیں۔ تابعی کے عمل کو اگر دین میں حجت تسلیم کرلیا جائے (جبکہ وہ صحیح احادیث کے برخلاف ہو) تو امت مسئلہ مزید افتراق وانتشار میں مبتلا ہوجائے گی کیونکہ متعدد تابعین ایسے ہیں جن کے اقوال واعمال ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔

www.KitaboSunnat.com

دلیل نمبر۸

حدثنا وكيع عن ربيع عن أبي معشر عن إبراهيم قال يضع يمينه على شماله في الصلاة تحت السرة (ابن ابی شیبہ)

یعنی ''وہ نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھتے تھے۔''

درج بالا عمل محترم ابراہیم نخعی کا ہے، ان کا شمار صغار تابعین میں ہوتا ہے، نیز یہ ہاتھ چھوڑ کر بھی نماز پڑھتے تھے۔ان سے اس سلسلہ میں دو مزید روایات بھی ہیں:

② حدثنا أبوبكر قال حدثنا هثيم عن يونس عن الحسن ومغيرة عن إبراهيم أنهما كانا يرسلان أيديهما في الصلاة

یعنی ''وہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے تھے۔'' (مصنف ابن ابی شیبہ: ج۱ص۴۲۸)

③ حدثنا جدير عن مغيره عن أبي معشر عن إبراهيم قال لا بأس بأن يضع اليمنى على اليسرىٰ في الصلاة (مصنف ابن ابی شیبہ: ج۱ص۴۲۷)

یعنی ''وہ نماز میں ہاتھ باندھنے میں کوئی قباحت نہ سمجھتے تھے۔''

ابراہیم نخعی سے مروی ان تینوں آثار پر اگر نظر انصاف سے غور کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ بیشتر نمازیں ہاتھ چھوڑ کر پڑھتے تھے اور نماز میں ہاتھ باندھ لینے کو بھی مباح سمجھتے تھے۔ان تینوں آثار کی موجودگی میں ابراہیم نخعیؒ کے فقط ایک عمل کو بطورِ حجت پیش کرنا انصاف کے قتل کے مترادف ہے۔

'تابعی' کے اقوال واعمال کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے

يقول: آخذ بكتاب الله فإن لم أجد فبسنة رسول الله فان لم أجد فبقول الصحابة، أخذ بقول من شئت منهم ولا أخرج عن قولهم إلى قول غيرهم فأما إذا انتهى الأمر إلى إبراهيم والشعبى وابن سيرين وعطاء فقوم اجتهدوا فأجتهد كما اجتهدوا (التہذیب التہذیب: ۱۰/۴۰۳)

''محترم امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: میں سب سے پہلے اللہ کی کتاب سے دلیل حاصل کروں گا، پس اگر مجھے وہاں سے دلیل نہ ملے تو میں سنتِ رسول اللہ ﷺ کو بطورِ حجت اختیار کروں گا اور اگر وہ بھی میسر نہ آئے تو صحابہؓ میں سے کسی صحابی کے قول کو اختیار کروں گا اور جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبی، ابن سیرین اور عطاء تک پہنچے گا تو وہ سب ایک قوم ہیں جنہوں نے اجتہاد کیا سو میں بھی اجتہاد کروں گا جیسے انہوں نے اجتہاد کیا۔''

امام صاحب کے اس قول سے واضح ہوا کہ تابعی کے قول کو بطورِ حجت پیش نہیں کیا جاسکتا۔

www.KitaboSunnat.com

نویں دلیل: ازروئے عقل

لأن الوضع تحت السرة أقرب إلى التعظيم (ہدایہ)

''اوراس لئے بھی کہ ناف کے نیچے ہاتھ رکھنا تعظیم کے زیادہ قریب ہے۔''

مولوی محمد حنیف فاضل دارالعلوم دیوبند شرح ہدایہ میں رقم طراز ہیں:

''یہ احناف کی عقلی دلیل ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا تعظیم کے زیادہ قریب ہے اور یہی مقصود ہے یعنی نماز میں احکم الحاکمین کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا ایسا ہی ہے جیسا نوکر اور غلام بطورِ تعظیم آقاؤں اور بادشاہوں کے سامنے کمر پر پیٹی باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے سینہ پر ہاتھ باندھنا تعظیم کی کوئی صورت نہیں۔''

(غایۃ السعایہ: ج۳ رص۴۵)

شیخ محمد ہاشم سندھی رقم طراز ہیں:

ومنها ما ذكره رضى الدين السرخسى فى محيطه والزاهدي فى شرح القدورى والخبازى والعينى فى شرح الهداية: أن الوضع تحت السرة أقرب الى ستر العورة وحفظ الازار عن السقوط فيكون جمعا بين الوضع والستر فيكون أولىٰ، انتهى (درهم العسرة:ص۴۶)

''ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے جو عقلی دلائل ہیں: ان میں سے ایک وہ ہے جو رضی الدین سرخسی نے 'محیط' (نامی کتاب) میں، زاہدی نے شرح قدوری میں، خبازی اور عینی نے شرح ہدایہ میں ذکر کی ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ستر کو ڈھانپنے اور اِزار کو گرنے سے بچانے میں زیادہ معاون ہے۔ سو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے سے وضع اور ستر دونوں کام ایک ساتھ ہوجاتے ہیں، اس لئے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے۔''

احناف کے نزدیک صحیح وسقیم کی جانچ پڑتال کے لئے عقل ایک ایسا معیاری پیمانہ ہے کہ اگر سنت صحیحہ صریحہ بھی ان کی عقل (سقیم) کے خلاف ہو تو اسے بھی اپنی رائے کے مرگٹ پر قربان کرنے سے گریز نہیں کرتے مگر اس کے باوجود ان کے بیشتر عقلی دلائل تارِعنکبوت سے زیادہ کمزور ہوتے ہیں، درج بالا عقلی دلائل اسی نوعیت کے ہیں۔

واضح رہے کہ احناف کی خواتین سینہ پر ہاتھ باندھتی ہیں، ہم ان حضرات سے بصد معذرت یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جب سینہ پر ہاتھ باندھنا تعظیم کی کوئی صورت نہیں تو پھر حنفی خواتین کیا حالتِ نماز میں اللہ تعالیٰ کو للکارتی ہیں؟ اگر ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا اِزار بند کو

www.KitaboSunnat.com

نیچے گرنے سے روکنے کا ایک ذریعہ ہے تو پھر حنفی خواتین کو اس مفید ترین ذریعہ سے کیوں محروم رکھا جارہا ہے؟ حالانکہ عقل تو اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ایامِ حمل میں یہ آسانی خواتین کو میسر کی جائے کیونکہ ان ایام میں سقوطِ ازار کا امکان زیادہ ہوتا ہے!!

ہمارے بھائیوں کے یہ عقلی دلائل تعصب اور ہٹ دھرمی کی عکاسی کرتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان میں متعدد لغات مرتب ہوچکی ہیں، ان میں کسی بھی فاضل اہل زبان نے کوئی ایسا لفظ دریافت نہیں کیا جس کا معنی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر تعظیم کرنا ہو جبکہ اس کے برعکس متعدد لغات میں لفظ 'کفّر' موجود ہے جس کا معنی سینے پر ہاتھ باندھ کر تعظیم کرنا ہے:

"کفر' لسیدہ: انحنٰی ووضع یدہ علی صدرہ وطأطأ رأسہ کالرکوع تعظیما لہ (المعجم الوسیط: ج۲ر ص۷۹۱)

''کفر لسیدہٖ کا معنی ہے: اس نے اپنے ہاتھ کو سینہ پر رکھا اور اپنے سر کو اپنے آقا کی تعظیم کی خاطر رکوع کی طرح نیچے کیا''

التکفیر لأھل الکتاب أن یطاطی أحدھم رأسہ لصاحبہ کالتسلیم عندنا و قد کفرلہ والتکفیر أن یضع یدہ أویدیہ علی صدرہٖ لعل أصلہ التکبیر والتعظیم أبدلت الباء فاء فصار تکفیر (فقہ اللسان:ص۶۱)

''التکفیر لأھل الکتاب سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی کے سامنے اپنے سر کو ایسے جھکائے جیسا کہ ہمارے نزدیک السلام علیکم کہنا ہے اور 'تکفیر' سے مراد ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں کو سینہ پر رکھنا ہے۔ تکفیر کا اصل شاید تکبیر ہے کہ باء کو فاء سے بدل دیا گیا، اس طرح تکفیر بن گیا جس کا معنی 'تعظیم' ہے۔''

☆ واضح رہے کہ گنگوہی صاحب نے کمر پر پیٹی باندھنے کو تعظیم سے تعبیر کیا ہے یعنی موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پیٹی چونکہ ناف کے نیچے ہوتی ہے اور آقا یا بادشاہ کی تعظیم کے لئے ہوتی ہے۔ یہاں بھی فاضل دیوبند نے جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔

پیٹی یا پٹکے کو عربی زبان میں منطقة کہتے ہیں یہ لفظ صاحب ہدایہ نے ھدایہ اخرین: کتاب الکراھیة میں بھی نقل کیا ہے، منطقة کا معنی 'المعجم الوسیط' میں اس طرح مذکور ہے: "مایشد بہ الوسط" جس چیز کے ساتھ (کمر کے) درمیان کو باندھا جائے۔ اِزار بند کو عربی

www.KitaboSunnat.com

زبان میں 'نطاق' کہتے ہیں۔ ان دونوں لفظوں کا مادہ ن ط ق ہے۔ یہی وجہ کہ 'المعجم الوسیط' میں نطاق کا معنی بھی یہی کیا گیا یعنی حزام یشد به الوسط:(۹۳۱/۲) اور اس کا معنی مستعد ہونا بھی ہے جیسا کہ المعجم الوسیط میں ہے:

یقال عقد فلان حبك النطاق : تهیأ لامر (ج۲/ص۹۳۱)

''کہا جاتا ہے کہ فلاں نے لنگوٹ کس لیا یعنی وہ کام کے لئے مستعد ہوگیا۔''

محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء

محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء

محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء

محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء

محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء

محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء

محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء

محرم الحراسم کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء محرم الحرام کے فضائل ومسائل اورصومِ عاشوراء

www.KitaboSunnat.com

اسلام اور سائنس

سید عزیز الرحمٰن☆

مذہب اور سائنس کا باہمی تعلق

اسلام کا نقطۂ نظر

انسانی زندگی کے کچھ خواص ہیں، اور ان خواص کے اعتبار سے کچھ لوازم بھی۔ انسانی زندگی کا مادّی وجود جہاں اس سے بہت سی چیزوں کا تقاضا کرتا ہے، اسی طرح اس کا ایک روحانی وجود بھی ہے، جو اس سے 'مذہب' مانگتا ہے۔ انسان مادّی اعتبار سے خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہوجائے، اس کا روحانی وجود اسے سکونِ قلب کی طلب پیدا کرکے، اسے اپنے وجود کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ بلکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ مادّیت کی دوڑ میں انسان جس قدر آج بڑھتا جاتا ہے، اتنی ہی اس کی روحانی تشنگی بڑھتی چلی جاتی ہے، یہ پیاس ہی مذہب کے وجود کی سب سے بڑی، سب سے وقیع، سب سے وزنی اور عالمگیر دلیل ہے!

سائنس دورِ جدید کے انسان کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے چکی ہے۔ یہ بات بھی درست ہوگی کہ سائنس سے سائنسی ایجادات مراد لی جائیں، لیکن سائنس بذاتِ خود ایک طرزِ فکر کا نام ہے، جو گذشتہ زمانے میں بدقسمتی سے، چند خارجی و داخلی وجود کے سبب، اور ابتدائی سطح پر ملنے والی کامیابیوں سے حاصل ہونے والی سرخوشی کے زعم میں مذہب اور خدا کے وجود سے ٹکرا گئی تھی، لیکن اب ہر سطح پر اس کا احساس پیدا ہوچلا ہے کہ سائنس کا میدان اور ہے اور مذہب کے فرائض اور۔ سائنس کا مذہبی اُمور میں کوئی دخل نہیں ہے، البتہ مذہب کا سائنسی معاملات میں دخل ضرور ہے، جو کہ برس ہا برس کے تجربے اور مشاہدے سے ثابت ہوچکا ہے۔ لیکن یہ دخل تعمیری اور مثبت نوعیت کا ہے، منفی اور تخریبی نہیں۔ لہٰذا دونوں میں ٹکراؤ اور تضاد کی کیفیت کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ ایسا اس وقت ہوتا جب دونوں کے مفادات مشترک ہوتے، اور جب دونوں کا میدانِ عمل ایک ہوتا۔ منطق کی زبان میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں کے مابین 'عموم وخصوص مطلق' کی نسبت ہے۔ زیرِنظر مضمون میں اسی حوالے سے اسلام کی تعلیمات کے تناظر میں گفتگو کی گئی ہے، اور مقصد اس غلط فہمی کا ازالہ ہے کہ کیا مذہب سائنس کا مخالف ہے؟ یا اہل مذہب اور

☆ نائب مدیر ششماہی 'السیرۃ عالمی' کراچی

www.KitaboSunnat.com

اہل سائنس میں حقیقتاً کسی ٹکراؤ کی کیفیت پائی جاتی ہے؟

سائنس اور مذہب کے باہمی تعلق کی اہمیت رپس منظر

سائنس اور مذہب کے باہمی تعلق کو سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ اس سوال کے دونوں ہی جز انسانی زندگی اور خصوصاً عصر حاضر میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں، ایسی اہمیت جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اس بیان میں کوئی مبالغہ نہیں کہ دونوں ہی چیزیں، مذہب اور سائنس آج کے ہر انسان کے لئے ناگزیر ہیں، اور اگر کوئی اس حقیقت سے واقف نہیں یا کسی سبب سے اس بدیہی حقیقت کو قبول کرنے سے صرفِ نظر کرتا ہے، تو وہ خود اپنی زندگی کو نامکمل بنانے اور ناقص رکھنے کی سعی نامشکور کرتا ہے، خواہ اسے خود اس کا علم تک نہ ہو!

سائنس اور مذہب کا یہ ٹکراؤ اٹھارہویں اور اُنیسویں صدی کی پیداوار ہے، اور یہی وہ دور ہے جب جدید سائنس کا ظہور ہوا، اور دنیا نے اسے کسی علم بلکہ مکتبِ فکر کے طور پر پہچانا۔ سائنسی دریافتوں میں جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لئے بڑی کشش تھی، پھر اس کا دارومدار مکمل طور پر مشاہدے اور تجربے پر تھا۔ یہ چیزیں انسانی شعور اور عقل کو براہِ راست متاثر کرتی ہیں اور انسان ظاہر میں نظر آنے والی چیزوں کا اثر زیادہ تیزی سے اور شدت کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

پھر ایک اور بات بھی ہے، عربی محاورے کل جدید لذیذ کے مطابق ہر نئی چیز لذیذ ہوتی ہے۔ سائنس مذہب کے مقابلے میں ایک نئی چیز تھی، ان اسباب وعوامل کی بنا پر لوگوں کا اس کے اثرات تیزی سے قبول کرنا ایک فطری عمل تھا، مگر خرابی یہاں سے شروع ہوئی کہ سائنسی دریافتوں سے جو ماحول بنا، اس میں لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اب خدا کی کوئی ضرورت نہیں رہی، اور مذہب ایک فرسودہ روایت سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ ان کے نزدیک خدا کو ماننا اس لئے ضروری تھا کہ اس کو مانے بغیر کائنات کی کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی، اب جدید سائنس نے یہ عقدہ حل کردیا ہے۔ اب ہمیں معلوم ہوگیا ہے کہ یہ کائنات اور اس میں واقع ہونے والا ہر امر ایک سبب کی وجہ سے ہے، اور وہ سبب معلوم کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ہمیں یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ یہ سب کچھ قانون فطری ہے، Law of Nature کے لگے بندھے اُصولوں کے تحت وقوع پذیر ہورہا ہے۔

دوسری جانب یوں ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں، جو وحی الٰہی پر مبنی تھیں، وقت کے ساتھ ساتھ تغیر اور تحریف نے جگہ پکڑ لی اور یونانی فلسفے نے اس پر غلبہ حاصل کرلیا، اور

www.KitaboSunnat.com

رفتہ رفتہ فلسفیانہ مباحث مذہب کا جز بن کر تقدس حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ فلسفہ بہت سے زمینی حقائق اور معروضی حالات کے خلاف تھا، اور اس میں خیالی اور تصوراتی مفروضوں کی بہتات تھی۔ جب سائنس کی مشاہدے اور تجربات پر مشتمل دریافتیں اور انکشافات سامنے آنا شروع ہوئے تو مذہب کا حصہ بن جانے والے ان مفروضوں میں دراڑیں پڑنے لگیں، جس سے اہل مذہب (کلیسا) نے اپنے وجود کو خطرہ سمجھا، اور یوں اہل سائنس اور اہل مذہب (عیسائیت) کے مابین ایک کشمکش کا آغاز ہوگیا، جس کے نتیجے میں پوپ کے خاص حکم کے تحت احتساب عدالت قائم ہوئی، جس میں تقریباً تین لاکھ افراد کو حاضری دینا پڑی۔ ان کو سخت سزائیں دی گئیں، اور تقریباً ۳۰ ہزار افراد کو زندہ جلا دیا گیا۔ ان سزا یافتگان میں گلیلیو اور برونو جیسے افراد بھی شامل تھے، یہ مذہب اور سائنس کی علیحدگی اور ان کے مابین چپقلش کا نقطہ عروج تھا، اور یہیں سے وہ جنگ شروع ہوئی، جو بالآخر علم اور مذہب کی جنگ بن گئی۔[1]

جن باتوں نے مذہب (عیسائیت) اور سائنس کے مابین ان سنگین اختلافات کو جنم دیا، ان میں سے بات کو سمجھنے کے لئے صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ ارسطو نے مرکزیتِ زمین کا نقطہ نظر پیش کیا تھا، یہ خالصتاً یونانی فکر تھی جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں تھا، مگر چونکہ یہ نظریہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مسیحی مذہب کا حصہ بن چکا تھا، اس لئے جب کوپرنیکس (۱۴۷۳ء تا ۱۵۴۳ء) نے مرکزیتِ آفتاب کا تصور پیش کیا تو عیسائی پیشواؤں کے ہاں کھلبلی سی مچ گئی، اور انہوں نے کوپرنیکس کی زبان بندی کردی۔ کیونکہ یورپ میں اس وقت مسیحی پیشواؤں کو اقتدار حاصل تھا، جس کا انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔[2]

اس 'جنگ' اور محاذ آرائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں میں یہ خیال عام ہوگیا کہ مشاہداتی علم (سائنس) اور مذہب دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، اور ایک کی ترقی دوسرے کے لئے موت کا درجہ رکھتی ہے، حالانکہ یہ خیال واضح طور پر سراسر غلط تھا، اور اسلام کے نقطہ نظر کے صریح خلاف بھی، وہ تو یہ کہتا ہے کہ: ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾[3]

''بلاشبہ اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف اہل علم ہی ڈرتے ہیں۔''

مگر ان حالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ علم (سائنس) لوگوں کو خدا اور مذہب سے دور کرنے والا بن گیا۔ سائنس اور مذہب کا یورپ میں ہونے والا یہ تصادم کوئی دو صدی تک جاری رہا، حتیٰ کہ ۱۸۵۹ء میں ڈارون نے اپنی کتاب Origin of species شائع کی۔ چرچ کی جانب سے

www.KitaboSunnat.com

اس کی بھرپور مخالفت کی گئی، مگر اب چرچ کی طاقت کمزور پڑ چکی تھی، اس لئے رفتہ رفتہ صلح کے امکانات پیدا ہونے لگے، اور بالآخر دونوں کے درمیان سمجھوتہ طے پا گیا، جو دراصل سیکولرازم (Secularism) کی صورت میں تھا، اب مذہب اور سائنس کے درمیان حدود کار متعین کردی گئیں اور دونوں کے دائرے الگ الگ ہوگئے۔(۴)

یوں کلیسا اور اہل سائنس کے مابین جاری جنگ کا تو خاتمہ ہوگیا، مگر درحقیقت مذہب اور سائنس دونوں نے وہ راستہ اختیار کیا، جو فطرت کے سراسر خلاف تھا، اس لئے رفتہ رفتہ حالات سدھرنے کی بجائے مائل بہ انحطاط ہوتے چلے گئے اور نوبت بہ ایں جارسید کہ مذہب اور خدا ہر اعتبار سے (بزعم خود و بزعم غلط) ان کی زندگیوں سے نکل گیا۔ لیکن یہ ایک غیر فطری رویہ تھا، نتیجۃً خدا پھر بھی موجود رہا، اور مذہب کی ضرورت پھر بھی باقی رہی۔ آخر کمرے میں اپنے آپ کو بند کرکے، اور روشنی کی گزرگاہوں کو ختم کرکے، دن کے وقت میں انسان اپنے آپ کو رات ہوجانے کا تو غلط اطمینان دلا سکتا ہے، مگر سورج کی موجودگی کو تو ختم نہیں کرسکتا۔ یہ تھا سائنس اور مذہب کے اختلافات کا اصل پس منظر، اور جب ہم سائنس، مذہب تعلقات کی بات کرتے ہیں، تو اس پس منظر کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

انکارِ مذہب کا سبب

اب تک کی بحث سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ خدا کے وجود کا انکار قطعاً سائنس کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہ مذہب اور مذہبی تعلیمات سے روگردانی اور ان سے لاعلمی کا نتیجہ ہے، لیکن آج کے دور میں انکارِ مذہب کا ایک اہم سبب اور بھی ہے، اور اسے بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ وہ سبب مغرب کے ہاں پھیلتا اور بڑھتا ہوا تصورِ آزادی ہے، جس کو ہم 'مادر پدر آزادی' سے تعبیر کرسکتے ہیں۔ یہ آزادی رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے اب اس مقام انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ اب ان کو ہر اس معقول چیز سے بھی خوف آنے لگا ہے، جو ان کی اس خود ساختہ آزادی کو ذرا بھی قدغن لگاتی ہو۔ خدا اور مذہب کے انکار کے پیچھے بھی یہی تصور کارفرما ہے، یہی وہ بنیادی خوف ہے، جو انہیں انکارِ مذہب کے لایعنی فعل پر اُکسا رہا ہے۔ ایک امریکی ماہر طبیعات جارج ہاربرٹ (George Herbert Blovnt) ان چند لوگوں میں سے ہیں، جنہیں اس امر کا اعتراف ہے، وہ کہتے ہیں:

''مذہب (خدا پرستی) کو ماننے کی معقولیت، اور خدا سے انکار کی غیر معقولیت بذاتِ خود

www.KitaboSunnat.com

ایک آدمی کے لئے عملاً خدا پرستی اختیار کرنے کا سبب نہیں بن سکتی۔ لوگوں کے دلوں میں یہ خوف چھپا ہوا ہے کہ خدا کو ماننے کے بعد آزادی کا خاتمہ ہوجائے گا، وہ اہل علم جو ذہنی آزادی کو دل و جان سے پسند کرتے ہیں، ان کے لئے اس آزادی میں کمی یا محدودیت کا کوئی بھی تصور بڑا تشویشناک ہے۔''(۵)

کیونکہ اللہ کا پیغام کسی نہ کسی نبی ہی کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے، اور اس نبی کا پیغام تسلیم کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی بات کو خدا کی بات تسلیم کیا جائے، اس لئے جب وہ کوئی بات کہے تو تمام لوگوں کیلئے اس کو تسلیم کرنا ضروری ہوگا، اور یہ بات ان لوگوں کیلئے قابل قبول نہیں ہوسکتی، جو عقل کو بلکہ صرف اپنی ہی عقل کو سب کچھ تصور کرکے اس کی پیروی کو ضروری سمجھتے ہیں۔

سائنس اور مذہب؛ اختلافِ عمل

جب تک اس امر کی وضاحت نہ ہوجائے کہ سائنس اور مذہب کے درمیان کس نوع کا اختلاف ہے؟ اس وقت تک ہمارا یہ دعویٰ صحیح صورت میں سامنے نہیں آسکتا کہ سائنس اور مذہب کے مابین دراصل میدانوں کا فرق ہے۔ دونوں کے میدان الگ الگ ہیں، اس لئے ان دونوں کی خدمات کو گڈمڈ نہیں کیا جاسکتا، اور جو خرابی بھی پیدا ہوئی ہے، اس کا سبب بھی یہی ہے کہ ہم نے دونوں کے دائرہ کار کو باہم گڈمڈ کردیا ہے۔ اگر یہ بات واضح ہوجائے تو ظاہر ہوجائے گا کہ سائنس کو مانتے ہوئے، اس پر عمل کرتے ہوئے اور اس سے متمتع ہوتے ہوئے بھی مذہب کو خصوصاً مذہبِ اسلام کو تسلیم کیا جاسکتا ہے، اور اس کے مطالبات پورے کئے جاسکتے ہیں، دونوں میں کوئی ٹکراؤ نہیں ہے.....!!

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ یہ اختلاف اس وقت پیدا ہوا، جب اہل سائنس نے یہ جان لیا کہ دنیا کا نظام قانونِ فطرت پر چل رہا ہے، اور کائنات میں پیش آنے والے واقعات ایک متعین قانونِ فطرت کے مطابق رونما ہورہے ہیں، اس لئے ان کی توجیہ کرنے کے لئے کسی نامعلوم اور غیر موجود خدا کا وجود فرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ضرورت اس وقت تھی، جب تک ان واقعات کی توجیہ ہمارے سامنے نہیں آئی تھی۔ حالانکہ ذرا سا غور وفکر کرنے والے پر بھی اس استدلال کی غیر معروضیت اور سطحیت واضح ہوسکتی ہے۔ سوال تو یہ تھا کہ اس کائنات کے نظام کو برقرار اور مثبت طریقوں پر قائم رکھنے والی ایک اتھارٹی ناگزیر ہے، اور اس ذات کی ناگزیریت اب بھی علی حالہٖ قائم ہے، کیونکہ اب تک کی تگ و دو سے سائنس نے جو کچھ معلوم کیا ہے، وہ

www.KitaboSunnat.com

قانونِ فطرت کی صورت میں صرف اس سوال کا جواب ہے کہ یہ کائنات کیا ہے؟ مگر مذہب جس سوال کا جواب دے رہا ہے، وہ یہ ہے کہ جو کچھ اس طرح طے شدہ پروگرام اور پورے نظم وضبط کے ساتھ اپنے اپنے مقررہ وقت اور مدت پر پیش آ رہا ہے، وہ کیوں ہو رہا ہے؟

مذہب ان واقعات کے اصل اسباب ومحرکات پر گفتگو کرتا ہے، لہٰذا سائنس کی دریافتوں کے باوجود مذہب کی ضرورت موجود و برقرار ہے، بلکہ اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے، جب سائنسی توجیہات پر غور وفکر کرنے والا شخص ڈور کا اصل سرا نہیں پاتا، اور یوں اسے اپنی زندگی میں خلا محسوس ہونے لگتا ہے۔ایک امریکی ماہر حیاتیات سی سیل بوائس ہمن(Cecilboyce Hamann) اس بارے میں کہتا ہے:

''غذا ہضم ہونے اور اس کے جزوِ بدن بننے کے حیرت انگیز عمل کو پہلے خدا کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، اب جدید مشاہدے میں وہ کیمیائی ردّعمل کا نتیجہ نظر آتا ہے، مگر کیا اس کی وجہ سے خدا کے وجود کی نفی ہوگئی؟ آخر وہ کون سی طاقت ہے، جس نے کیمیائی اجزا کو پابند کیا کہ وہ اس قسم کا مفید ردّعمل ظاہر کریں، غذا انسان کے جسم میں داخل ہونے کے بعد ایک عجیب وغریب خود کار انتظام کے تحت جس طرح مختلف مراحل سے گزرتی ہے، اس کو دیکھنے کے بعد یہ بات بالکل خارج از بحث معلوم ہوتی ہے کہ یہ حیرت انگیز انتظام محض اتفاق سے وجود میں آ گیا، حقیقت یہ ہے کہ اس مشاہدے کے بعد تو اور زیادہ ضروری ہوگیا ہے کہ ہم یہ مانیں کہ خدا اپنے ان عظیم قوانین کے ذریعے عمل کرتا ہے، جس کے تحت اس نے زندگی کو وجود دیا ہے۔''(٦)

درحقیقت سائنسی تگ و دو نے ہمیں واقعے کی صحیح تصویر تو دکھا دی ہے، مگر یہ واقعہ درست طور پر کیونکر پیش آتا ہے؟ اس تک سائنس رسائی حاصل نہیں کرسکتی، قوانین فطرت کیسے وجود پذیر ہوئے؟ ان کو درست نہج پر کس نے استوار کیا؟ اور پوری کائنات کا یہ ڈھانچہ، جس سے یہ کائنات متمتع ہو رہی ہے، کس طرح اس قدر صحت وتوازن کے ساتھ قائم ہے کہ اس کو دیکھ کر سائنسی قوانین اَخذ وترتیب دیے جا رہے ہیں؟ ان سوالات کا جواب سائنس نہیں دے سکتی، اور اس لئے نہیں دے سکتی کہ یہ اس کے دائرۂ اختیار میں ہی نہیں آتے، اس کے لئے مذہب کی جانب رجوع کرنا ہوگا، اور یہی وہ ذریعہ ہے جو انسان کی تشنگی بجھا سکتا ہے۔

سائنس اور مذہب؛ مفاہمت کا طریقہ کار

سائنس اور مذہب کے مابین مفاہمت کا درست اور قابل عمل طریقہ کار یہی ہے کہ اس

www.KitaboSunnat.com

ضمن میں پھیلی ہوئی غلط آرا، غلط خیالات وتصورات اور فضا کو پراگندہ کرنے والی غلط فہمیوں کو دور کیا جائے، خصوصاً اسلام کے حوالے سے یہ بات واضح کردی جائے کہ سائنسی ایجادات اور اسلامی تعلیمات میں کوئی تباین نہیں، کوئی تضاد نہیں ہے۔ اور اگر کسی مقام پر ایسا نظر بھی آتا ہے، تو وہ عارضی ہے، اور اسلامی تعلیمات کی کنہ اور حقیقت تک رسائی حاصل نہ ہوسکنے کا نتیجہ ہے یا سائنسی تجربے اور مشاہدے کا نقص ہے۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ ''سائنس علت ومعلول کی ہر کڑی میں غایت (Purpose) کو ضرور شامل کرے، اگر اس نے سلسلہ واقعات کی ہر کڑی میں غایت کو تسلیم کرلیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے خدا کے وجود کو تسلیم کرلیا، اس کے ضابطہ اخلاق کو تسلیم کرلیا۔ یومِ حساب کو تسلیم کرلیا، اور سائنس کی سرکشی نے خدا کے وجود کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔''(۷)

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ شرط کوئی نئی نہیں، نہ پہلی بار پیش کی گئی ہے، نہ سائنس اس سے ناآشنا ہے، بلکہ اس شرط کے ذریعے سائنس کو اس کا بھولا ہوا سبق پھر سے یاد کرایا جارہا ہے اور اسے اس بات کی دعوت دی جارہی ہے جس پر وہ اس سے پہلے خود قائم تھی۔ برٹرینڈ رسل کہتا ہے

> ''سائنس کے دائرۂ کار میں یہ بات پہلے بھی شامل رہی ہے، لامذہبیت اختیار کرنے سے پہلے تک سائنس واقعات کے ہر سلسلے کو مذہب کی طرح علت، معلول اور غایت پر منحصر سمجھا کرتی تھی۔''(۸)

پھر اہم بات یہ ہے کہ غایت کو اگر سائنس میں شامل کرلیا جائے تو مطالعہ سائنس میں زیادہ معنویت پیدا ہوسکتی ہے، ایک فاضل محقق کے بقول:

> ''غایت کو سائنس میں شامل کرلینے سے ہر مضمون میں علت اور معلول کی حکمتوں تک انسان کی رسائی ہوسکے گی، اس کے بعد سائنس کا مطالعہ زیادہ بامعنی ہوجائے گا۔ اس کام میں مسلمان سائنس دانوں پر بہت اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہم اس اُصولِ مفاہمت کے مذہبی سطح پر پہلے ہی سے قائل ہیں، اس لئے ہمیں چاہئے کہ اس اُصول کو سائنس کی آئیڈیالوجی بنائیں، اور اس آئیڈیالوجی سے عالمی سائنس کو روشناس کرائیں۔''(۹)

سائنس کی ایک اہم ضرورت: یہ گفتگو اس اعتبار سے تھی کہ سائنس مذہب کا انکار کرکے جن خطرات سے دوچار ہورہی ہے، ان سے بچنے کا محفوظ طریقہ مذہب کے زیرسایہ آجانے کے سوا کچھ نہیں ہے، یہی فطرت کا تقاضا بھی ہے۔ لیکن ایک اور پہلو سے بھی سائنس کو مذہب کی چھتری درکار ہے، سائنس نے انکشافات واکتشافات کے میدان میں تو یقیناً بے حد ترقی کرلی

www.KitaboSunnat.com

ہے، مگر وہ اخلاقیات اور نفسیات کے میدان میں بہت پیچھے ہے، ان میدانوں میں اس کے انحطاط پر یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ سائنس جوں جوں آگے بڑھ رہی ہے، اخلاقیات کے میدان میں اس کا تنزل اور انحطاط اسی رفتار سے زیادہ ہو رہا ہے۔(۱۰)

ان حالات میں خصوصاً کسی ایسی رکاوٹ کی ضرورت ہے، جو سائنس کو ان تنزلیوں کا شکار ہونے سے روک سکے، اور اسے ایک ایسا مربی درکار ہے، جو اسے بتا سکے کہ اسے کیا کرنا ہے، اور کن اُمور سے اپنے آپ کو باز رکھنا ہے؟ مختصر لفظوں میں یہ کہ اس کی حدودِ کار کیا ہیں؟ جدید سائنسی تحقیقات و ایجادات کے بعد اس کی ضرورت یوں بھی بڑھ گئی ہے کہ ان کے نتیجے میں ایسے عوامل سامنے آ رہے ہیں، جن کی موجودگی پوری انسانیت کے لئے خطرہ بن رہی ہے۔ ان کی مثال میں دو چیزوں: مہلک ایٹمی و جراثیمی ہتھیار اور سائنسی ایجادات سے متاثر ہونے والے عالمی ماحول کو پیش کیا جاسکتا ہے، جنہوں نے پوری دنیا میں موجود امن پسند اور دردِ دل رکھنے والے اصحابِ علم اور اصحابِ فکر ونظر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

اس خطرے کو بھی مذہب اور بالخصوص اسلام ہی ٹال سکتا ہے جو اس سمت میں بھی واضح اور دوٹوک رہنمائی کرتا ہے۔ اس کا سادہ اور واضح اُصول یہ ہے کہ جو چیزیں انسانیت کے لئے مفید ہیں، وہ اختیار کرنا ضروری ہیں۔ اور جن سے انسانوں بلکہ کائنات کو کسی بھی قسم کے ضرر پہنچنے کا خدشہ ہو تو اس سے احتراز ضروری ہے، اور اگر اس سے فوائد بھی وابستہ ہوں تو ایسی تدابیر اختیار کی جائیں، جن سے اس کی مضرت ختم ہوجائے..... یہ ہے اسلامی نقطہ نظر کا خلاصہ!

یہ صورتِ حال عرصے سے اہل علم کو مضطرب کئے ہوئے ہے اور اس کا احساس غیر مسلم مفکرین کو بھی ہے، اور غور وفکر کے بعد وہ بھی اِسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس مشکل سے نکلنے کا واحد حل مذہب ہے۔

ریان ایپل یارڈ (Reyenaple Yard) اپنی کتاب عصر حاضر کی تفہیم (Understanding the Present) میں اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''سائنس کی کوئی اخلاقیات یا ایمان نہیں ہے، اور وہ ہمیں ہماری حیات کے معنی، مقصد اور اہمیت کے بارے میں کچھ نہیں بتاتی، لیکن پریشانی کی بات یہ ہے کہ لوگوں کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ سائنس کی فیضاتی کارکردگی ثابت کرتی ہے کہ وہ سب چیزیں مہیا کرسکتی ہے۔ لوگوں میں اس غلط خیال کو مستحکم کرنے میں سائنسی لٹریچر پیدا کرنے والوں کا بڑا ہاتھ ہے، جو عموماً ناقص بلند آہنگ اور اکثر غلط ملط مقبولِ عام لٹریچر لکھتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سائنس کو واپس کھینچ کر ثقافت وتہذیب کے دائرے میں لایا

www.KitaboSunnat.com

جائے، تاکہ اس کے بدترین استعمالات اور بھیانک دعوؤں کو لگام دی جاسکے۔''(۱۱)

ایک اور دانشور جو خود بھی فزکس کے پروفیسر ہیں، فرٹ جوف کیپر نے سائنس کے فروغ اور سائنسی رجحانات میں اضافے سے پیدا ہونے والی صورتحال پر تبصرہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''ہماری صدی، یعنی بیسویں صدی کے گذشتہ دو دہے کے آغاز میں ہم اپنے آپ کو گہرے عالمگیر بحران کی حالت میں پاتے ہیں، یہ مختلف الجہات بحرانوں کا مجموعہ ہے۔ جس کے اثرات ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں یعنی صحت اور سامان زندگی، ماحول کی کیفیت، سماجی تعلقات، معیشت، صنعت اور سیاست کو چھوتے ہیں۔ یہ بحران، ذہنی، اخلاقی اور روحانی سمت کا ہے۔ یہ بحران ہے میزان اور ضرورت کا، جس کی کوئی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، پہلی مرتبہ ہمیں نسل انسانی اور اس کے کرۂ ارض کے تمام جانداروں کو ہلاکت کی حقیقی دھمکی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔''(۱۲)

آگے چل کر کیپر، نیوٹن کے نظریۂ حرکت کے طبیعاتی دنیا میں انقلابی اثرات پر گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے:

''مطلق عالمگیر مشین کی اس تصویر میں ایک خارجی خالق مضمر ہے، یعنی ایک شہنشاہ خدا، جس نے دنیا میں اپنے آسمانی قوانین کے نفاذ کے ذریعے حکومت کی ہے، طبیعاتی مظاہر کو کسی بھی معنی میں بجائے خود آسمانی نہیں سمجھا گیا، اور سائنس نے ایسے کسی خدا پر یقین کو زیادہ سے زیادہ مشکل بنا دیا اور تقدس سائنس کے عالمی نظریے سے مکمل طور پر غائب ہوگیا، جس کے نتیجے میں روحانی خلا پیدا ہوا، جو ہمارے تہذیبی دھارے کی خصوصیت بن گیا ہے۔''(۱۳)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دو وجوہ کی بنا پر، جن میں پہلی وجہ سائنس کے فروغ سے روحانی دنیا میں پیدا ہونے والا خلا ہے، اور دوسری وجہ اخلاقی، تہذیبی اور ثقافتی بحران ہے، سائنس کے لئے مذہب کو قبول کرنا ضروری ہوگیا ہے۔

پھر اہم بات یہ ہے کہ اسلام سائنس کو نہ صرف قبول کرتا ہے، بلکہ وہ خود تجربے اور مشاہدے نیز غور وفکر کی دعوت دیتا ہے، البتہ اس کا مدعا اس سے یہ ہوتا ہے کہ انسان اس تدبر اور غور وفکر کے ذریعے اس کائنات کے ربّ تک پہنچ سکے، اور پھر بعد کے اقدام کے طور پر وہ اس کے احکامات کی بھی بجاآوری کرسکے، یہی انسانیت کی معراج ہے اور یہی اسلام کا مطالبہ ہے!!

قرآن اور سائنس

قرآنِ حکیم کتابِ حکمت اور صحیفہ ہدایت ہے۔ اس کے پیش نظر انسانیت کی رہنمائی ہے،

www.KitaboSunnat.com

تاکہ شاہراہِ زیست پر سفر کرتے ہوئے اسے کسی قسم کی دقت اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآنِ حکیم کا یہ بھی اعجاز ہے کہ اس میں دیگر علوم وفنون کی جانب بھی رہنمائی ملتی ہے۔ اس سلسلے میں بہت سے شواہد موجود ہیں، ابوبکر ابن العربیؒ کے بقول

''قرآنِ حکیم ستتر ہزار چار سو پچاس علوم پر مشتمل ہے۔ یہ عدد قرآنی کلمات کو چار سے ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کے ہر کلمے کی چار حالتیں ہیں: ایک اس کا ظاہر و باطن ہے، اور ایک حد و مطلع۔ یہ اس صورت میں ہے جب قرآن کے کلمات کو انفرادی اعتبار سے ترکیب کے بغیر دیکھا جائے، اگر کتاب کی تراکیب وغیرہ پر غور وفکر کیا جائے تو اس کی (حالتوں اور اسی اعتبار سے اس کے علوم وفنون کی) تعداد شمار وحساب سے باہر ہوجاتی ہے۔'' (۱۴)

ابن العربیؒ (مصنف عارضۃ الاحوذی) کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:

''کتابِ خداوندی ہر چیز کی جامع ہے، کوئی علم اور مسئلہ ایسا نہیں جس کی اصل واساس قرآنِ کریم میں موجود نہ ہو، قرآن میں عجائب المخلوقات، آسمان وزمین کی سلطنت اور عالم علوی وسفلی سے متعلق ہر شے کی تفصیلات موجود ہیں، جن کی شرح وتفصیل کے لئے کئی جلدیں درکار ہیں۔'' (۱۵)

اسی اعتبار سے قرآنِ حکیم میں سائنسی علوم کی جانب بھی راہنمائی ملتی ہے، اگرچہ یہ چیز قرآن نقطہ نظر سے مطلوبِ اوّل نہیں ہے۔ ذیل میں ایسی چند آیات پیش کی جاتی ہیں:

① قرآنِ حکیم انسان کے جنین کے ارتقائی مراحل ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾ (۱۶)

''اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے (جوہر) سے بنایا، پھر ہم ہی نے اس کو حفاظت کی جگہ (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے اس نطفے کو خون کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم ہی نے اس لوتھڑے سے گوشت کی بوٹی بنائی، پھر ہم ہی نے اس بوٹی سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہم ہی نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہم ہی نے اس کو ایک نئی صورت میں (انسان بنا کر) اُٹھا کھڑا کیا تو اللہ بڑا ہی برکت والا، سب سے بہتر بنانے والا ہے۔''

② قرآنِ حکیم میں پہاڑوں کو 'میخیں' کہا گیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهَادًا وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا﴾ (۱۷)

www.KitaboSunnat.com

''کیا ہم نے تمہارے لئے زمین کو فرش، اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا؟''

③ سمندر یا دریا کے دو مختلف الاقسام پانیوں کے بارے میں قرآنِ حکیم میں فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ (۱۸)

''اور (اللہ) وہی ہے، جس نے دو دریاؤں کو چلایا، ایک میٹھا پیاس بجھانے والا، اور ایک کھارا کڑوا، اور دونوں کے درمیان ایک رکاوٹ اور آڑ بنا دی۔''

④ بادلوں اور اولوں کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ﴾ (۱۹)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے، پھر وہ ان کو ملا دیتا ہے، پھر وہ ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ ان کے درمیان سے مینہ برستا ہے، وہی اللہ آسمان میں پہاڑ جیسے بادلوں میں سے اَولے برساتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے ان (اَولوں) کو گرا دیتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک ایسی ہے کہ گویا آنکھوں کی بینائی لے جائے۔''

⑤ انسانی جلد کی حسی کیفیات اور حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (۲۰)

''بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، ہم بہت جلد ان کو آگ میں ڈالیں گے، جب ان کی کھالیں جل جائیں گی، تو ہم ان کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے، تاکہ وہ خوب عذاب چکھیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔''

قرآن حکیم کی ان کئی سو آیات میں سے، جن میں سائنسی حقائق کی جانب اشارہ موجود ہے، یہاں صرف چند آیات نقل کی گئیں، تاکہ یہ امر واضح ہو سکے کہ اسلام اور سائنس باہم متعارض حقیقتوں کے نام نہیں، بلکہ جدید سائنس خود اسلام اور اسلامی تعلیمات کا اثبات کر رہی ہے، اور ایسے کتنے ہی مسائل ہیں، جن کے بارے میں جب اسلام نے حکم دیا تھا تو لوگوں کے سامنے اس کی علت اور سبب نہیں تھا، مگر لوگ امر تعبدی قرار دے کر اسے بجا لاتے تھے، لیکن آج ان کے حقائق سامنے آ چکے ہیں، اور یہ امر واضح ہو گیا ہے، ان احکامات میں بھی ہماری ہی فلاح

www.KitaboSunnat.com

اور بہبود مضمر تھی۔

'سائنس' قرآن کا اثبات کرتی ہے!

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ سائنس کے جدید انکشافات و اکتشافات نے اسلام کے بیان کردہ اُصولوں کا اثبات اور ان کی تائید کی ہے، اس لئے اسلام کو سائنس کی جانب سے کوئی چیلنج درپیش نہیں ہے، بلکہ جب مذہب اور سائنس کا باہم ٹکراؤ شروع ہوا، جس کا سرسری سا تذکرہ ان سطور کے آغاز میں گزر چکا ہے، تب بھی چونکہ وہ مسئلہ عیسائیت کی محرف روایات کا تھا، نہ کہ اسلام کا، اس لئے مسلمان اس وقت بھی کسی ذہنی اُلجھن کا شکار نہیں ہوئے، اور جب مرکزیتِ آفتاب کا نقطہ نظر سامنے آیا، تو مسلم سائنس دانوں نے اسے زیادہ معقول اور مدلل پاکر بغیر کسی ہچکچاہٹ کے قبول کرلیا، پروفیسر ایڈورڈ میک برنس لکھتے ہیں:

''مسلمان ماہرین فلکیات و ریاضیات، طبیعات، کیمیا، اور طب میں نہایت باکمال عالم تھے، ارسطو کے احترام کے باوجود انہوں نے اس میں ذرا تامل نہیں کیا کہ وہ اس کے اس نظریے پر تنقید کریں کہ زمین مرکز ہے، اور سورج اس کے گرد گھوم رہا ہے بلکہ انہوں نے اس اِمکان کو تسلیم کیا کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہوئی سورج کے گرد گردش کررہی ہے۔''(۲۱)

ذیل میں ہم چند سائنسی مظاہر اور نئی معلومات پیش کرتے ہیں جو قرآنِ حکیم کی تائید کررہی ہے، یہ ان ہی آیات کے بارے میں ہیں، جن کا ذکر ہم ابھی ماقبل کرآئے ہیں:

(i) قرآنِ حکیم اور انسانی جنین کا ارتقا: قرآن حکیم میں انسانی جنین کے بارے میں کئی ایک مقامات پر تفصیل سے معلومات دی گئی ہیں۔ یہ وہ معلومات ہیں جو ۱۴۰۰ سو سال سے پڑھی جارہی ہیں، مگر اس صدی میں جاکر سائنس نے بھی اس امر کی تائید کردی ہے کہ یہ معلومات نہ صرف حرف بہ حرف درست ہیں، بلکہ چونکہ یہ معلومات اس وقت پیش کی گئی ہیں، جب یہ باتیں کسی کے علم میں نہیں تھیں، اس لئے قرآن حکیم اور اسلام کے آسمانی مذہب ہونے اور مبنی برحق ہونے کی بین دلیل بھی ہیں، قرآن حکیم کی ایک آیت اس سے قبل (آیت نمبر ۱) پیش کی جاچکی ہے۔(۲۲) جس میں تفصیل کے ساتھ انسانی جنین کی تشکیل کے مراحل بیان ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر کیتھ ایل مور (Khith L Moore) جینیات کے ایک معروف سائنس دان ہیں، انہوں نے ایک بار اس بارے میں اپنے ایک مقالے میں کہا:

www.KitaboSunnat.com

''یہ بات مجھ پر عیاں ہوچکی ہے کہ یہ بیانات (انسانی نشوونما سے متعلق) محمد ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں، کیونکہ یہ تمام معلومات چند صدیاں پہلے تک منکشف ہی نہیں ہوئی تھیں۔ اس سے یہ بات مجھ پر ثابت ہوجاتی ہے کہ (محمد ﷺ) اللہ کے پیغمبر ہیں۔''(۲۳)

انسانی جنین کی تشکیل اور ارتقا کے بارے میں سائنسی انکشافات اور توجیہات پر بہت سی کتب میں معلومات سامنے آ گئی ہیں، جہاں سے یہ معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔(۲۴)

(ii) پہاڑوں کے بارے میں قرآنی بیان: پہاڑوں کے بارے مین قرآنِ حکیم کا یہ بیان گزر چکا ہے (آیت نمبر۲) کہ ہم نے پہاڑوں کو میخیں بنایا ہے۔(۲۵) اب جدید سائنس نے بھی ثابت کردیا ہے کہ پہاڑ سطح زمین کے نیچے گہری تہیں رکھتے ہیں(۲۶) اور یہ کہ یہ پہاڑ زمین کی تہ کو مضبوطی سے جمانے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔(۲۷)

(iii) سمندر اور دریاؤں کے طبعی خواص اور قرآنِ کریم: سمندر اور دریا انسان کی اہم ضرورت ہیں۔ دونوں کے پانی بھی طرح طرح کے خواص رکھتے ہیں، جس میں سے ایک کی خصوصیت یہ ہے کہ بعض مقامات پر میٹھے اور کھارے پانی یکساں چلتے ہیں، مگر باہم نہیں ملتے، اس حقیقت کو قرآن نے چودہ صدیوں قبل بیان کیا تھا، اور اس کا ذکر سطورِ بالا (آیت نمبر۳) میں گزر چکا ہے۔(۲۸) اب جدید سائنس نے یہ معلوم کرلیا ہے کہ جہاں میٹھے اور کھارے پانی باہم ملتے ہیں، وہاں ان کے درمیان، ایک گاڑھے پانی کا حجاب ہوتا ہے جو تازہ پانی اور کھارے پانی کی پرتوں کو باہم ملنے نہیں دیتا۔(۲۹)

(iv) بادلوں اور اَولوں کے بارے میں تفصیلات اور قرآنِ کریم: بادلوں اور اَولوں کے بارے میں قرآنِ حکیم نے جو بیان ذکر کیا تھا (آیت نمبر۴) آج وہی تفصیل سائنس بیان کررہی ہے، مثلاً سائنس دان غور وفکر اور مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بارش کے بادل ان مراحل سے گزرتے ہیں، (۱) ہوا کا بادلوں کو دھکیلنا، (۲) چھوٹے بڑے بادلوں کا ملاپ، (۳) بادلوں کا انبار، جب بادل اکٹھے ہوجاتے ہیں تو یہ ہوا کی حرکت سے اَنبار کی شکل اختیار کرلیتے ہیں اور وہاں سے یہ فضا کے ٹھنڈے علاقوں تک پھیل جاتے ہیں۔(۳۰)

(v) انسانی جلد کی حسی خصوصیات اور قرآنِ حکیم: قرآنِ حکیم میں بیان کیا گیا ہے (آیت نمبر۵) کہ کافروں کو جب عذاب ہوگا تو ان کی جلد تلف ہوجائے گی، اس کے بعد فوراً انہیں دوسری جلد

www.KitaboSunnat.com

دی جائے گی تاکہ وہ مسلسل عذاب کا مزا چکھتے رہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اصل میں جلد ہی تکلیف محسوس کرتی ہے۔ اب سائنس نے بھی یہ بات دریافت کرلی ہے کہ تمام تکالیف جلد ہی پر ہوتی ہیں، اور اعصاب جو درد کا اِدراک کرتے ہیں، وہ فقط جلد ہی میں پائے جاتے ہیں، مثلاً اگر جسم کے کسی حصے میں سوئی چبھوائی جائے تو درد صرف جلد میں ہوگا، اور سوئی کو جلد سے آگے گزار دیا جائے، تب بھی فی الواقع درد جلد تک محدود رہے گا، آگے گوشت میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔(۳۱)

ان سطور میں قرآنی بیانات کی سائنس سے تائید دینے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنا یہ دعویٰ ثابت کردیا جائے کہ سائنس کے بارے میں اسلام کا رویہ معاندانہ نہیں ہے، نہ مخالفانہ ہے، بلکہ وہ اسے زندگی کی دیگر دوسری ضرورتوں اور لوازم کی طرح باور کرتا ہے، اور جدید سائنس بھی قدم بہ قدم اس کے بیانات ہی کو آگے بڑھا رہی ہے۔ قرآن کریم میں پیش کردہ رہنمائی کو پیش نظر رکھ کر اگر سائنس قدم آگے بڑھائے، تو اس کے لئے حقائق تک جلد پہنچنا ممکن ہوگا۔ اس کی تائید ان چند بیانات سے ہوتی ہے، جس کی جھلکیاں اوپر پیش کی گئیں، وقت کی قلت اور مقالے کی محدود گنجائش کے سبب اس جانب چند اشارے ہی کئے جاسکے ہیں، مگر ان سطور کا مقصد اس سے ضرور حاصل ہوجاتا ہے۔

اعترافِ حقیقت

یہ بات باشعور اور علم رکھنے والے مفکرین سے بھی پوشیدہ نہیں، بلکہ سبھی اس حقیقت کو تسلیم کررہے ہیں کہ اسلام اور سائنس دونوں آج کی زندہ ضرورتیں ہیں، جن سے اِعراض ممکن نہیں، معروف نومسلم فرانسیسی مصنف موریس بوکائے لکھتے ہیں:

''قرآن ہمیں جہاں جدید سائنس کو ترقی دینے کی دعوت دیتا ہے، وہاں خود اس میں قدرتی حوادث سے متعلق بہت سے مشاہدات وشواہد ملتے ہیں، اور اس میں ایسی تشریحی تفصیلات موجود ہیں جو جدید سائنسی مواد سے کلی طور پر مطابقت رکھتی ہیں، یہودی، عیسائی تنزیل میں ایسی کوئی بات نہیں۔''(۳۲)

دوسرے مقام پر مزید لکھتے ہیں:

''قرآنِ کریم میں، مقدس بائبل سے کہیں زیادہ سائنسی دلچسپی کے مضامین زیر بحث آئے ہیں، بائبل میں یہ بیانات محدود تعداد میں ہیں، لیکن سائنس سے متباین ہیں۔ اس کے برخلاف قرآن میں بہ کثرت مضامین سائنسی نوعیت کے ہیں، اسلئے دونوں میں کوئی مقابلہ نہیں،

www.KitaboSunnat.com

مؤخر الذکر (قرآن) میں کوئی بیان بھی ایسا نہیں، جو سائنسی نقطہ نظر سے متصادم ہوتا ہو۔ یہ وہ بنیادی حقیقت ہے، جو ہمارے جائزہ لینے سے اُبھر کر سامنے آتی ہے۔''(۳۳)

اور ڈاکٹر کیتھ مورجن کا اس سے قبل بھی ایک بیان گزر چکا ہے، ان کا ایک اور بیان ملاحظہ کیجئے:

''۱۳ سو سالہ قدیم قرآن میں جنینی ارتقا کے بارے میں اس قدر درست بیانات موجود ہیں کہ مسلمان معقول طور پر یہ یقین کر سکتے ہیں کہ وہ خدا کی طرف سے اُتاری ہوئی آیتیں ہیں۔''(۳۴)

خلاصۂ بحث

سائنس اور مذہب کے باہمی تعلقات اور ان کے مابین مفاہمت کے بارے میں درج بالا بیانات اور سطور پر غور وفکر کرنے سے انسان دو باتیں بہت سہولت کے ساتھ اَخذ کر سکتا ہے۔ ایک یہ کہ انسان کسی بھی ذریعے سے کائنات اور اس کی اشیا کے بارے میں وہ باتیں نہ جان سکا تھا، جو قرآنِ مجید نے بتائی ہیں۔ دوسری بات یہ اَخذ کی جاسکتی ہے کہ اس کائنات کی مادّی دنیا میں جو کچھ اب تک ہو چکا ہے، جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے، وہ صرف خدا کے حکم سے ہو رہا ہے اور اس کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، بہ الفاظ دیگر ہر کام میں علت (Cause) اور معلول (Effect) کے علاوہ غایت (Purpose) بھی لازماً کارفرما ہے، اور کائنات کی ہر شئے اور اس کا ہر قدم اسی سہ رکنی عمل کا نتیجہ ہے۔(۳۵)

اس لئے ہمیں باہمی مشترک قدروں کو اَپناتے ہوئے اور تمام مادّی وسائل بروئے کار لاتے ہوئے، انسانی زندگی کے دونوں اہم پہلوؤں اور انسانی زندگی کی دونوں اہم ضرورتوں کو، ان کی ضرورت، حق اور حیثیت کے مطابق ان کا حق دینا ہوگا۔ نہ تو مذہب کے فرضی اور دیومالائی مفروضات اختیار کر کے ہم سائنس سے دور رہ سکتے ہیں، نہ سائنس کو خدا کا درجہ دے کر خالق حقیقی سے اپنی زندگیوں کو خالی رکھ سکتے ہیں اور اگر بالفرض ایسا کریں گے بھی تو کامیابی کی راہ سے دور ہوتے چلے جائیں گے اور فلاح کی جگہ ناکامی ہمارا مقدر بنے گی۔ ☆☆

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مولانا وحید الدین خان، اسلام اور عصر حاضر، فضلی سنز پرائیویٹ لمیٹڈ کراچی، ۱۹۹۶ء، ص ۱۱۳، کسی قدر اضافے اور ترمیم کے ساتھ یہ تفصیل اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔

۲۔ نفس مصدر، ص ۱۱۲، نیز دیکھئے: سائنس اور مذہب میں مفاہمت، حفیظ الرحمٰن صدیقی، مشمولہ سہ اشاعتی آیات،

www.KitaboSunnat.com

مدیر ڈاکٹر محمد ریاض کرمانی، مرکز الدراسات العلمیہ، علی گڑھ، ج سوم، ش اوّل، جنوری تا اپریل ۱۹۹۲ء ص ۳۷۔
ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ کوپرنیکس کے نظریے کے بعد گلیلیو (۱۶۲۴ تا ۱۵۶۲ء) نے بھی اس کی تائید کردی، اور یوں ان کے ہاں ایک تقدس پاجانے والا نظریہ غلط ٹھہرا، اس کی یہ تغلیط خالصتاً ایک علمی بحث تھی، جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا کہ مسلم دنیا نے اسے ایک علمی بحث کے طور پر ہی لیا۔ مگر ایک غلط نظریے کی تغلیط بدقسمتی سے عیسائیت کی تغلیط سمجھ لی گئی، جس کے نتیجے میں بعد میں افسوسناک واقعات رونما ہوئے۔

۳۔ القرآن، سورۂ فاطر، آیت ۲۸ ۴۔ اسلام اور عصر حاضر، ص ۱۱۴

۵۔ Georee Herbert Blount, The Evidence of God, p.130

۶۔ Cecil Boyce Hamann,The Evidence of God in an Expanding Universe. p.221

۷۔ حفیظ الرحمٰن صدیقی، سائنس اور مذہب میں مفاہمت، مشمولہ سہ اشاعتی آیات، مدیر ڈاکٹر محمد ریاض کرمانی، مرکز الدراسات العلمیہ، علی گڑھ، ج سوم، ش اوّل، جنوری، اپریل ۱۹۹۲ء، ص ۴۱

۸۔ Bertrand Rusel, The Impact of Science on Society, London, 1952, P.18-19

۹۔ حفیظ الرحمٰن صدیقی، محولہ بالا۔ ۱۰۔ ملاحظہ کیجئے راقم کا مضمون 'مغرب کا سائنسی و نفسیاتی زاویۂ فکر، تدریج و ارتقا، سہ ماہی منہاج، مدیر حافظ سعد اللہ، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور، ستمبر ۲۰۰۲ء

۱۱۔ سائنس اور آج کی دنیا، ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، دسمبر ۱۹۹۴ء

۱۲۔ دیکھئے فرٹ جوف کیپر کی کتاب ٹرننگ پوائنٹ (The Turning Poing, p.21) ۱۳۔ محولہ بالا

۱۴۔ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مصطفےٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۳۲۹ھ، ج ۲، ص ۱۳۸۔

۱۵۔ جلال الدین سیوطی، ج ۲، ص ۱۳۰ ۱۶۔ القرآن، سورہ المؤمنون، آیت ۱۲، ۱۳، ۱۴

۱۷۔ القرآن، سورۃ النباء، آیت ۶-۷ ۱۸۔ القرآن، سورۃ الفرقان، آیت ۵۳

۱۹۔ القرآن، سورۃ النور، آیت ۴۳ ۲۰۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت ۵۶

۲۱۔ Edward Mc Burns/Western Civilizations/ W.W. Narton Companying Ny. p.264

۲۲۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۱۶

۲۳۔ ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری، سائنسی انکشافات، دارالاشاعت، کراچی ۲۰۰۰ء، ص ۷۶

۲۴۔ ملاحظہ کیجئے مذکورہ کتاب کے صفحات ۵۹ تا ۷۴ ۲۵۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۱۷

۲۶۔ The Geological Concept of Movntain in the Quran. p.5

۲۷۔ ایضاً ص ۴۴، ۴۵ ۲۸۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۱۸

۲۹۔ سائنسی انکشافات، ص ۱۵۰ ۳۰۔ ایضاً، ص ۱۶۲ ۳۱۔ ایضاً، ص ۱۷۴

۳۲۔ موریس بوکائے، بائبل، قرآن اور سائنس، ترجمہ ثناء الحق صدیقی، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۱۸۷

۳۳۔ ایضاً، ص ۲۱ ۳۵۔ حفیظ الرحمٰن صدیقی: ص ۳۹

۳۴۔ ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری، قرآن، سائنس اور تہذیب و تمدن، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۹۹ء، ص ۶

www.KitaboSunnat.com

اداریات مدیر مجلّہ

قارئین کی خدمت میں چند گذارشات

(۱) محدث کے سائز میں تبدیلی: ۳۰، ۳۵ برس سے ماہنامہ 'محدث' جس سائز میں شائع ہوتا رہا ہے، طباعتی رجحانات میں تبدیلی کے باعث اس سائز کا حصول اَب مشکل ہوگیا ہے۔ 20×26/8 سائز کا کاغذ جہاں چند سالوں سے مارکیٹ میں آنا بند ہوگیا ہے، وہاں اس سائز پر اُٹھنے والی طباعت اور جلد بندی کی لاگت میں بھی اضافہ ہوگیا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کتابوں کیلئے بھی یہ سائز متروک ہوگیا۔ یہ سائز تیار کرنے کیلئے کاغذ کو ضائع کرنا پڑتا ہے محدث کے اکثر مضامین جب دوسرے مجلّات رِی پرنٹ کرتے ہیں تو انہیں بھی اسے ریڈیوس کرنا پڑتا ہے، اور کتب کیلئے بھی محدث کے مضامین کو دوبارہ ایڈجسٹ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

طباعتی رجحانات میں تبدیلی کا اثر اس سائز میں شائع ہونے والے دیگر رسائل مثلاً بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے مجلّہ 'فکر ونظر'، جماعتِ اسلامی کے ماہنامہ 'ترجمان القرآن' اور ادارۂ منہاج القرآن کے ماہنامہ 'منہاج القرآن' وغیرہ پر بھی پڑا ہے، اور انہوں نے بھی اپنی سابقہ طویل روایات کے برعکس اپنے مجلّات کے سائز میں تبدیلی کرلی ہے۔

سابقہ سائز کے دیدہ زیب ہونے کے باوجود محدث کا سائز بدلنے کے سوا اب کوئی چارہ نہیں رہا۔ اُمید ہے کہ چند ماہ گزرنے کے بعد یہ سائز بھی قارئین کے لیے اجنبی نہیں رہے گا اور دیگر ضروری فوائد کے پیش نظر وہ اسے قبول فرمائیں گے۔ ۳۵ برس میں پہلی بار ٹائٹل کو چار رنگہ شائع کرنے کے علاوہ، صفحات کی تعداد بھی زیادہ کردی گئی ہے۔

(۲) محدث کی اشاعت میں بے قاعدگی: ماہنامہ 'محدث' کے ساتھ مختلف نوعیت کے متعدد ادارے ہیں، جن میں جامعہ لاہور الاسلامیہ کے نام سے ایک بڑی دینی درسگاہ کے علاوہ خواتین کے بھی بعض ادارے شامل ہیں۔ محدث کے ذمہ داران دیگر اداروں کے لیے ہر طرح کے وسائل کی فراہمی اور ان کی دیکھ بھال کے بھی ذمہ دار ہیں۔ ان متنوع مالی، انتظامی اور تعلیمی

www.KitaboSunnat.com

وتحقیقی مصروفیات میں محدث کی اشاعت میں باوجود نہ چاہتے ہوئے بھی تاخیر ہو جاتی ہے۔

دوسری طرف قارئین اس امر کے بھی گواہ ہیں کہ محدث میں بھرتی کی بجائے بامقصد مضامین کو شائع کیا جاتا ہے، معیاری اور دیدہ زیب پیشکش جس پر مستزاد ہے۔یہی وجہ ہے کہ محدث برصغیر کے ۲ ہزار سے زائد علمی ودینی جرائد میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے اور رسائل کی برادری میں ۳۵ سال کے طویل عرصے میں ہمیشہ محدث کو بڑی وقیع نظر سے دیکھا گیا ہے۔

بہرحال محدث کی تاخیر کے لیے ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ اس تاخیر کی وجوہات میں خصوصی نمبر کی اشاعت کے علاوہ راقم الحروف کا ۴۵ روزہ غیر ملکی سفر بھی شامل ہے، جس سے واپسی کے فوراً بعد ہی جامعہ میں نئے تعلیمی سال کی مصروفیات بھی ہیں۔ چند ماہ سے کی بے قاعدگی پر قابو پانے کے لئے تازہ شمارہ مارچ او راپریل کا مشترک کردیا گیا ہے، اور دسمبر،جنوری،فروری کے شمارہ جات مستقل صورت میں قارئین کو ارسال کئے جا چکے ہیں۔

ترسیل کی شکایات محدث کے فون نمبرز 5839404, 5866396, 5866476 پر بھی وصول کی جاتی ہیں۔اگر کوئی صاحب محدث کا اجرا کرنا چاہتے ہوں تو وہ بھی فون سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اتوار کے ماسوا باقی دنوں میں صبح سے شام تک محدث کے فون نمبر پر ظفر حسین صاحب کو آپ محدث کے بارے میں اپنے پیغامات نوٹ کرائیے۔ان شاء اللہ ان کی تعمیل کی جائے گی۔ نیا رسالہ لگوانے والے بھی فون پر VP کا تقاضا بھجوا سکتے ہیں۔یعنی ڈاکیہ ان سے خود زرِسالانہ وصول کر کے ہمیں پہنچا دے گا۔ امید ہے آپ حضرات کا تعاون ہمیں آئندہ بھی حاصل رہے گا۔جن حضرات نے محدث کی توسیع اشاعت مہم میں شرکت کرکے اسے آگے پھیلانے کا نیک فریضہ انجام دیا ہے، ہم ان کے خلوص کی قدر کرتے ہیں اور ان کی توقعات پر پورا اُترنے کی کوشش کرتے رہیں گے.....!

محدث میں شائع شدہ مضامین پر اپنے تبصروں سے آپ ہمیں آگاہ فرماتے رہیں۔آپ کی رائے کو وقعت دینے کے علاوہ ان کو شائع بھی کیا جائے گا، ان شاء اللہ

(۳) محدث کی سابقہ فائلیں: محدث کا ریکارڈ رکھنے میں مدد کے لیے، پاکستان کے تمام رسائل وجرائد میں پہلی بار ہم ۳۵ برس سے آج تک شائع ہونے والے محدث کے تمام شمارہ جات کا ایک مسلسل نمبر متعارف کرا رہے ہیں۔آئندہ سے محدث کے ہر شمارے کے ٹائٹل پر بائیں کونے

www.KitaboSunnat.com

میں مدیر اعلیٰ کے نام کے نیچے ایک مسلسل نمبر بھی شائع ہوگا، جس سے قارئین کو محدث کا ریکارڈ رکھنے میں آسانی رہے گی جلد کے تحت شائع ہونے والے عدد نمبر میں تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک شمارہ میں زیادہ اَعداد جمع ہوجاتے ہیں جب کہ اس تسلسل نمبر کے تحت ہر شمارے کو ایک ہی نمبر دیا جائے گا اس سے قارئین کو یہ اندازہ کرنے میں مدد ملے گی کہ محدث کے شائع شدہ تمام شمارہ جات انہیں موصول ہوئے ہیں یا نہیں؟

دسمبر ۱۹۷۰ء میں محدث کا پہلا شمارہ 'نمبر ا' سے شروع کر کے آج تک تمام شمارہ جات کو مخصوص نمبر الاٹ کر دیا گیا ہے جس کی رو سے اپریل کا تازہ شمارہ '۲۶۸' نمبر قرار پایا ہے۔ ۲۶۸ نمبر شمارہ کا مطلب یہ ہے کہ آج تک محدث کے اتنے شمارے شائع ہو چکے ہیں جس میں تمام خصوصی اشاعتیں اور مختصر شمارے بھی شامل ہیں۔ جن حضرات کو سابقہ محدث کا ریکارڈ رکھنے میں مشکل پیش آتی ہو، وہ سابقہ شماروں کی فہرست اِدارۂ محدث سے طلب کر سکتے ہیں یا اِسے محدث کی ویب سائٹ www.isslam.com یا www.muhaddis.net پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

یہ ۲۶۸ شمارے اِدارۂ محدث میں جہاں دستیاب ہیں، وہاں ان سب کو ایک سی ڈی میں بھی عنقریب پیش کیا جا رہا ہے جس کا نصف کام مکمل ہو چکا ہے۔ محدث کے سابقہ سالوں کی جلدیں بھی تیار حالت میں موجود ہیں، بالخصوص آخری چند سالوں کو ریکسین جلد میں دیدہ زیب انداز میں بھی تیار کیا گیا ہے۔ ایک جلد کی قیمت ۲۲۰ روپے بھجوا کر یہ جلدیں منگوائی جاسکتی ہیں۔

(۴) محدث کی چار سالہ 'سی ڈی': جنوری ۱۹۹۹ء (عدد ۲۲۲)؛ جب سے محدث نئی کمپوزنگ میں شائع ہو رہا ہے، سے فروری ۲۰۰۳ء (عدد ۲۶۷) کے شمارہ جات کی سی ڈی فی الحال دستیاب ہے جو شائع ہونے والے 'محدث' سے ۱۰۰ فیصد مماثل ہے۔ ان میں دو خاص نمبر یعنی سود نمبر اور فتنہ انکار حدیث نمبر بھی مکمل صورت میں موجود ہیں۔ جب کہ آخری دو سال کے شمارے انٹرنیٹ پر بھی ہر وقت 'آن لائن' ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ جو شائقین ۴ سالوں پر مشتمل محدث کی سی ڈی خریدنا چاہیں، وہ ۱۰۰ روپے منی آرڈر کر کے بذریعہ ڈاک بھی منگوا سکتے ہیں۔

(۵) دیگر رسائل کے اشاریے اور سی ڈیز: جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ ادارۂ محدث میں ہی شعبۂ رسائل وجرائد کے تحت ۷۰۰ سے زیادہ رسائل وجرائد کی فائلیں معیاری انداز میں ترتیب شدہ موجود ہیں اور ان کو مکمل بھی کیا جاتا رہتا ہے۔ ان میں سے بیسیوں علمی رسائل وجرائد کے

www.KitaboSunnat.com

مکمل اشاریے بھی تیار کیے گئے ہیں جن میں سے سہ ماہی مجلّہ 'منہاج' لاہور، ماہنامہ 'حرمین' جہلم ماہنامہ 'الاخوۃ' لاہور اور ماہنامہ 'الشریعۃ' گوجرانوالہ کے اشاریئے انہی رسائل میں شائع بھی کروا دیئے گئے ہیں۔ اس طرح ماہنامہ محدث کا ۳۵ سالہ اشاریہ بھی تیار شدہ موجود ہے، جنہیں شائقین طلب کر سکتے ہیں۔محدث کے ہی نام سے بنارس، انڈیا سے شائع ہونے والا مجلّے کے اشاریہ کے علاوہ ،محدث ہی کے نام سے ۱۹۳۰ء میں دار الحدیث رحمانیہ، دہلی سے شائع ہونے والے مجلّے کے اشاریئے بھی تیار کر لیے گئے ہیں۔ان رسائل کی تمام فائلیں بھی ادارہ محدث میں دستیاب ہیں اور ۲۰ سے زائد رسائل (مثلاً ماہنامہ 'رحیق' لاہور، ماہنامہ 'الدعوۃ' لاہور، ہفت روزہ 'توحید' امرتسر/لاہور، ماہنامہ 'تعلیم الاسلام' ماموں کانجن، ماہنامہ 'ترجمان الحدیث' لاہور، ماہنامہ 'ترجمان السنۃ' لاہور، ماہنامہ 'تحقیق' پنجاب یونیورسٹی، ماہنامہ 'تعمیر انسانیت' لاہور وغیرہ) کے اشاریہ جات بھی تیار حالت میں موجود ہیں۔تحقیقی کام کرنے والے حضرات جہاں دفتر محدث میں ان سے استفادہ کر سکتے ہیں، وہاں ان کی فوٹو کاپی بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ان اشاریہ جات کو عنقریب محدث کی ویب سائٹ پر بھی پیش کر دیا جائے گا، ان شاء اللہ

☆ محدث کی ۳۵ سالہ فائلوں کو سی ڈی میں تیار کر لینے کے بعد دیگر اہم علمی اور تاریخی رسائل پر بھی ایسا ہی کام شروع کیا جائے گا تاکہ یہ علمی ذخیرہ جدید دور کے میڈیا میں محفوظ ہو کر بآسانی قارئین تک پہنچ سکے۔ ان مقاصد کی بحسن وخوبی تکمیل کے لیے جہاں ہمیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے، وہاں مالی وسائل کے لیے اہل خیر کو بھی اس نیک کار میں حصہ لینا چاہیے۔ یہ ہمارے علمی اور تاریخی ورثہ کی بڑی شاندار حفاظت ہوگی۔ان شاء اللہ

ہمارے علم میں آیا ہے کہ ادارۂ 'ہمدرد' کے تحت برصغیر کے بعض تاریخی جرائد مثلاً 'تہذیب الاخلاق' از سرسید احمد خاں اور اخبار 'زمیندار'، 'کامریڈ' وغیرہ کو 'فلم' کے ذریعے محفوظ کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں لیکن اس طریقہ کے مطابق ان سے استفادۂ عام ممکن نہیں تھا۔ الحمدللہ ادارۂ محدث نے اس ضمن میں سی ڈی کے استعمال کا جو تصور پیش کیا ہے، اس سے یہ مجلّات ورسائل عام قاری تک بڑی کم قیمت میں پہنچ سکتے ہیں۔اس پروگرام کے سلسلے میں ہمیں فنی مہارت رکھنے والے حضرات کا تعاون اور مشاورت بھی درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی خدمت کرنے اور اسلامی علمی ورثہ کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین!

☆☆

www.KitaboSunnat.com

LRL No. 183
Vol. 35 NO.4

Ph: 5866476
5866396

Monthly MUHADDIS Lahore

- عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں..... لیکن تعصّبات سے بالا تر رہ کر اِفہام وتفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔
- علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں..... لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔
- غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے..... لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔
- تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔
- آئین وسیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے..... لیکن

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

- جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے..... لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

..... اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات ومحاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ! کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

قیمت فی شمارہ ۲۰ روپے — زرِسالانہ ۲۰۰ روپے

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL 99-J, Model Town, Lahore 54700

http:www.muhaddis.net